سید قدرت اللہ فاطمی

قرآن و سنت میں
دینی اور سیاسی اقتدار کی تفریق کا تصور
ــــــ ایک دعوت فکر

ڈاکٹر سید قدرت اللہ فاطمی پاکستان کے ان چند اہل علم میں سے ہیں جو کسی موضوع پر لکھنے کے لیے ہفتوں تک سوچ بچار کرتے رہتے ہیں اور پھر جب قلم اٹھاتے ہیں تو متانت و سنجیدگی سے اپنا رشتہ نہیں توڑتے۔ ان کی رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن آدمی ان کی ندرت فکر' وسعت معلومات اور انداز بیان کی داد دیئے بغیر نہیں رہتا۔

پروفیسر موصوف سے خاکسار کا تعلق اوپر تیس سال سے ہے۔ اس پوری مدت میں جب کبھی ان سے کسی مسئلہ پر بات چیت ہوئی' تو یہ دیکھ کر ہمیشہ مسرت ہوئی کہ پروفیسر موصوف وقت کے مزاج کو سمجھتے ہیں۔ لیکن عوامی دھارے میں بہنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوتے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ریاست اور کنیسا کے باہمی تعلق پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن پروفیسر موصوف نے اس موضوع پر بھی ایک اچھوتے انداز سے لکھا ہے۔ پروفیسر موصوف نے آج سے چند سال پہلے مسلم یونیورسٹی' علی گڑھ میں "قرآن و سنت میں دینی اور سیاسی اقتدار کی تفریق کا تصور" کے موضوع پر مقالہ پڑھا تھا۔ چند ہفتے پہلے پروفیسر صاحب کا گرامی نامہ ملا' جس میں یہ مقالہ بھی تھا' خیال آیا کہ قارئین المعارف کو اس مقالہ سے کیوں محروم رکھا جائے!

رشید احمد (جالندھری)

پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۹۱۸ء) کے اختتام پر مغرب میں فرعونی نظام کی ایک نئی لہر اٹھی۔ اس نے مروجہ مذاہب کو افیون قرار دیتے ہوئے' اپنے نئے ایجاد کردہ مذہب کو آئیڈیالوجی یا نظریۂ حیات کا نام دیا۔[1] اس نظریۂ حیات کی تعبیر کرنے اور اسے نافذ کرنے والی پارٹی کو سیاسی اقتدار مکمل طور پر سونپ دیا گیا۔ اور اس پارٹی کی باگ ڈور اس کی اعلیٰ قیادت نے خود اپنے ہاتھ

میں لے لی۔ یوں Totalitarian State کا Monolithic ابوالہول تعمیر ہو گیا۔ قوتوں کے مکمل ارتکاز نے اس Totalitarian State کو حیرت انگیز اور انتہائی تیز رفتار کامیابی عطا کی' جس کے سبب مغرب میں یورپ کے بیشتر ممالک اور مشرق میں چین اور جاپان Totalitarian نظریۂ حیات کی لپیٹ میں آ گئے۔ ان ممالک کے آمروں کے اغراض و مقاصد ایک دوسرے سے مختلف بلکہ بعض صورتوں میں باہم متصادم تھے۔ اس جوڑ توڑ اور چھین جھپٹ کا بھیانک نتیجہ دوسری جنگ عظیم کی شکل میں نمودار ہوا۔

مسلم معاشرہ لامحالہ اس Zeitgeist (روح عصر) سے متاثر ہوا۔ اور مسلم آبادی والے ان ممالک میں Totalitarianism کی تحریکیں ابھریں جو برطانیہ کے زیر نگیں ہونے کے سبب مغرب سے علمی اور ذہنی طور پر قریب تر تھے: یعنی الاخوان المسلمون[۲] (۱۹۲۸ء)' خاکسار تحریک[۳] (۱۹۳۱ء)' چوہدری غلام احمد پرویز کی بزم طلوع اسلام[۴] (۱۹۳۸ء) اور سب سے آخر میں' لیکن اپنی ثروت علمی اور متانت فکری میں سب سے مقدم[☆] جماعت اسلامی[۵] (۱۹۴۱ء)' جو برعظیم جنوبی ایشیا کی اسلامسٹ تحریکوں میں اب تک سب سے زیادہ دیرپا ثابت ہوئی ہے۔ گرچہ بانی جماعت کی زندگی ہی میں امارت کے منصب پر فائز ہونے والے میاں طفیل محمد اور ان کے پرانے رفقا کے الگ تنظیم قائم کر لینے سے جماعت اسلامی کے پاکستان کی سب سے زیادہ منظم سیاسی پارٹی ہونے کی شہرت کو نقصان پہنچا ہے' اور بنگلہ دیش کے حالیہ انتخابات میں اس کی نمایاں ناکامی یقیناً اس کے لیے خوش آئند نہیں ہے۔[*] نسبتاً قریب تر زمانے میں ایک طرف انقلاب ایران (۱۹۷۹ء) نے اسلامسٹ طرز فکر کا دائرہ وسیع کر دیا ہے تو دوسری طرف اس کے ہمسایہ افغانستان میں لگ بھگ اسی زمانے سے لے کر اب تک مجاہدین کی خانہ جنگی اور ان کے ہاتھوں خانہ بربادی کے نہ ختم ہونے والے طویل سلسلے نے عبرت کے

(☆) افسوس کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی کی وفات کے بعد متانت فکری' انحطاط کا شکار ہو گئی۔ (ادارہ)

(*) جماعت اسلامی نے ۱۹۹۷ء کے پاکستانی انتخابات سے یکسر گریز کیا۔

نئے باب کھول دیئے ہیں۔ مغرب کے میڈیا نے ان سب تحریکات پر اسلامی اساس پرستی یا بنیاد پرستی (Islamic Fundamentalism) کا لیبل چپکا دیا ہے اور وہ ہاہا کار مچائی ہے کہ جیسے صلیبی جنگوں کا زمانہ عود کر آیا ہو۔ میرے موجودہ مطالعے کا مقصد یہ سوچنے کی دعوت دینا ہے کہ یہ نام نہاد اسلامی بنیاد پرستی کہاں تک اسلام کی بنیادی تعلیمات کے سرچشمہ یعنی قرآن و سنت سے ہم آہنگ ہے۔

قرآن حکیم کے اسلوب بیان کا ایک روشن ترین پہلو یہ ہے کہ وہ تاریخ سے سبق حاصل کرنے کی دعوت تو بارہا دیتا ہے۔ لیکن تاریخ واقعات کی چھان بین اور تفصیل میں جانے کی بجائے ان کی طرف مجمل اشارہ کرتے ہوئے' ان سے حاصل کردہ عبرت پر توجہ کو مرتکز کرتا ہے۔ اس معاملے میں وہ بائیبل کے عہدنامۂ قدیم Old Testament سے یکسر مختلف بلکہ متبائن ہے۔ اور بہت اہم بات یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے اولین مخاطبوں یعنی زمانۂ بعثت کے عربوں کی پہلے سے حاصل کی ہوئی تاریخی معلومات اور ان کی ذہنی سطح کو پیش نظر رکھتا ہے۔ چنانچہ طرز حکومت اور اصول سیاست کی بنیادی تعلیم دینے کے لیے قرآن حکیم نے فرعون اور فرعونی نظام کے انجام کو نمونۂ عبرت کے طور پر منتخب کیا ہے۔ کیونکہ مصر' حجاز کی مقدس سرزمین کا جو مہبط وحی تھی' قریب ترین ہمسایہ ہے۔ مکے کی واد غیر ذی زرع (ابراہیم ۱۴:۳۷) میں سکونت اختیار کرنے والے حضرت اسماعیل کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ مصر کی رہنے والی تھیں۔ مکے کے قبیلہ قریش کے رحلة الشتاء والصيف (القریش ۱۰۶:۲) یعنی جاڑے اور گرمی کے تجارتی کاروانوں میں سے موسم گرما کی تجارت کی سب سے اہم گزرگاہ' جو بحیرۂ روم کی بندرگاہ غزہ پر ختم ہوتی تھی۔ بردی (Papyrus) کی جھاڑیوں سے لٹے ہوئے ساحل والے اس آبی ٹکڑے کے پاس سے گزرتی تھی۔ جہاں فرعون اور اس کا لاؤ لشکر غرق ہوا تھا۔ اسے عبرانی بائیبل میں "یم صوف" کہا گیا ہے جو مصر کے ہیرو غلافی کے ym t'wf سے ماخوذ ہے۔[۲] قرآن حکیم نے بھی اس مخصوص آبی ٹکڑے کے لیے بحر کی جگہ "یم" کا لفظ استعمال

کیا ہے۔ (الاعراف ۷: ۱۳۶' طہٰ ۲۰: ۷۸' القصص ۲۸: ۴۰' الذاریات ۵۱: ۴۰) اور زمانۂ بعثت اور اس سے قریب کے زمانے کی جو دستاویزات ہم تک پہنچی ہیں' ان کا اختتام عموماً مابل بحر صوفہ کے دعائیہ کلمات پر ہوتا ہے کہ جب تک سمندر اپنے بردی والے ساحل کو سیراب کرتا رہے (یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے) یہ معاہدہ قائم رہے۔[۷]

ماقبل اسلام کے بادیہ نشین عرب مصر کے فراعنہ کی قہرمانیوں سے یقیناً اچھی طرح واقف تھے۔ جبھی وہ ان سے دور ہی دور رہے اور ان کے چچا زاد بھائیوں بنی اسرائیل پر جو کچھ بیتی' اس سے وہ بالکل محفوظ رہے۔ انہوں نے فرعون کے سامراجی نظام پر اپنے قبائلی نراج کو ترجیح دی۔ بائیبل کی کتاب پیدائش کے لفظوں میں:

> He shall be a man like the wild ass, his hand against every man and every man's hand against him; and he shall live to the east of all his kinsmen. (Gen. 16:12)
>
> "وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہو گا۔ اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کا اس کے خلاف ہو گا۔ اور وہ اپنے سب قرابت داروں کی بستیوں کے مشرق میں اپنی بستی بسائے گا۔[۸]
>
> (پیدائش ا' باب ۱۶' ص ۱۲)

"اسمائیل کا ہاتھ ہر ایک کے خلاف ہو گا اور ہر ایک کا اس کے خلاف۔" قبل اسلام کے صحرانشین عربوں کے حسب حال ہے۔ اور ایام العرب کی یاد تازہ کرتا ہے۔ ان صحرانشینوں کی قدیم تاریخ' جو جاہلی شاعری (الشعر دیوان العرب) میں محفوظ ہے' اس پر گواہ ہے کہ وہ گورخر کی طرح آزاد ہے۔[۹] گورخر کی اس تمثیل کے لیے بائیبل کی کتاب ایوب کا مندرجہ ذیل اقتباس لائق توجہ ہے:

Who has let the wild ass of Syria range

at will and given the wild ass of Arabia its freedom?--- Whose home I have made in the wildness and its lair in the saltings; it disdains the noise of the city and is deaf to the drivers shouting; it roams the hills as its pasture and searches for anything green. (Job, 18, 39:5-8)

"کس نے بادیۂ شام کے گورخر کو کھلا چھوڑ رکھا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے سپاٹا بھرتا رہے؟ اور کس نے عرب کے گورخر کو آزادی بخشی؟ میں نے صحرا کو اس کا ٹھکانا چنا اور سبخہ یعنی زمین شور میں اس کے بھٹ بنائے۔ وہ شہر کے شور ہنگامے سے ہڑکتا ہے اور ہنکانے والے کی ہانک پکار پر کان نہیں دھرتا۔ وہ پہاڑیوں پر چرتا چگتا اور ہر دم ہریالی کی کھوج میں لگا رہتا ہے۔"

(ایوب ۱۸، باب ۳۹: ۵-۸)

جزیرہ نمائے عرب کے تمام علاقوں میں یہودی آباد تھے۔ بالخصوص مدینے کے گردونواح میں ان کی مرفہ الحال قلعہ بند بستیاں تھیں اور باغ اور نخلستان۔ مدینہ اور اس کے اطراف کی آبادی کا قریباً نصف حصہ یہودیوں پر مشتمل تھا۔ ان میں وہ عرب قبیلے بھی تھے، جنھوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ ان کے اہل کتاب ہونے کی وجہ سے امی عرب ان کی تہذیب اور تاریخ سے بہت متاثر تھے۔ خود انھوں نے عربوں کا قبائلی نظام آزادی، خود مختاری مکمل طور پر اپنا لیا تھا۔ اور آزادی و امن کی انہیں وہ نعمتیں حاصل تھیں، جو نہ اس سے پہلے انہیں کبھی ملی تھیں، نہ بعد میں۔ عربوں کے حسن جوار پر احسان مندی کا اظہار کرنے والے ابو عمران موسیٰ بن میمون (۱۱۳۵ء-۱۲۰۴ء) تھے جن کو مغربی دنیا Maimonides کے نام سے جانتی ہے۔[۴] ان جیسے یہودی کم ہی کم پیدا ہوئے۔ لیکن اس پر تعجب کیوں کیا جائے؟ موسیٰ ثانی جیسے عظیم انسان

کسی قوم میں بھی بار بار نہیں پیدا ہوتے۔

تاریخ انسانیت کا یہ عظیم المیہ ہے کہ اکثر گروہ وقت آنے پر اپنی مظلومیت کا بدلہ اپنے زبردست ظالموں سے نہیں بلکہ ان زیردستوں سے لیتے ہیں' جنہوں نے ان پر کبھی ظلم نہیں کیا تھا۔ فراعنہ مصر اور ان کے بعد بابل کے بخت نصر اور پھر روم و بازنطین کے قیصروں کے ستم رسیدہ ان یہودیوں نے جو مدینے کی شاداب بستیوں میں آباد تھے' اپنے دین موسوی کو جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی حصے تک پہنچا دیا تھا۔ یمن کے حمیری خاندان نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ ہجرت نبوی (۶۲۲ء) سے ایک صدی پہلے اس خاندان کے اولوالعزم بادشاہ یوسف ذونواس کو فرعون مصر کے نقش قدم پر چلنے کی سوجھی۔ اس نے اپنے دائرۂ اقتدار کو وسعت دینے کے لیے دین کو آلہ کار بنایا۔ ہمسایہ عیسائی ریاست کو زیر کرنے کے لیے اس کے پایۂ تخت ظفار کے بڑے کلیسا اور مملکت کے دوسرے کلیساؤں کو ڈھا کر نجران کے مسیحی مرکز پر اس نے دھاوا بول دیا۔ ان سے مسیحی دین ترک کر کے یہودیت اختیار کرنے کے لیے کہا۔ یہ ڈٹے رہے' تو گڑھا کھود کر اس پر ایندھن بکھیر کر عیسائیوں کو اس میں دھکیل کر آگ لگا دی۔ یوں شمع مسیحیت کے پروانے جل بجھے۔[۱۲] آزاد منش عربوں کی تاریخ میں فرعونی سیاست کے فروغ پانے کی یہ پہلی مثال تھی' جسے قرآن حکیم نے یوں پیش کیا ہے:

> قتل اصحاب الاخدود. النار ذات الوقود. اذهم عليها قعود. وهم على مايفعلون بالمومنين شهود. وما نقموا منهم الا ان يومنوا بالله العزيز الحميد. الذى له ملك السمٰوت والارض والله على كل شى شهيد. (البروج ۸۵: ۴-۹)
>
> مارے گئے گڑھے کھودنے والے' وہ گڑھے جن میں خوب بھڑکے ہوئے ایندھن کی آگ سلگائی گئی تھی۔ مومنوں کے ساتھ وہ جو کچھ کر رہے

تھے' اس کا وہ خود گڑھے کے کنارے پر بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے'
حالانکہ ان مومنوں سے ان کی عداوت کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہ
تھا کہ وہ اس خدا پر ایمان لے آئے تھے جو آخر کار غالب آنے والا
اور ہر حال میں حمد و ثنا کا مستحق ہے' جو آسمانوں اور زمین کا مالک
ہے' وہ خدا بھی تو یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

یہ سانحۂ کبریٰ موسم گرما ۵۳۳ء میں پیش آیا[۱۳] اور اس کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں دینی اور سیاسی اقتدار کی یکجائی سے پیدا ہونے والے فساد فی الارض کی جھڑی لگ گئی۔ عمل اور ردعمل کا ایک سلسلہ چل نکلا۔

نجران کے جو عیسائی قتل عام سے بچ گئے تھے' وہ داد فریاد لے کر قیصر روم کے پاس پہنچے۔ اپنے ساتھ وہ انجیل کے جلے ہوئے اوراق بھی لے گئے تھے۔ ساسانی شہنشاہیت نے رومن امپائر کے لیے ہندوستان اور چین سے خشکی اور خلیج کے ذریعے تجارت کے راستے بند کر دیئے تھے۔ اس کی تدبیر کرنے کے لیے روم کے قیصروں نے حبشہ (اکسوم) کی تجارتی منڈی اور بندرگاہوں کے ذریعہ بحیرۂ احمر' بحر عرب اور بحر ہند میں راستے تلاش کر لیے تھے۔ اس غرض سے انہوں نے حبشہ میں مسیحیت کی تبلیغ کی جس میں وہ بہت کامیاب رہے۔ انہوں نے نجران کے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے اکسوم کے باجگزار نجاشی کو یمن پر چڑھائی کرنے کی ترغیب دی اور اس کو بہت کچھ مادی امداد بھی بہم پہنچائی۔ ان کی فوجی تدبیر یہ تھی کہ حبشہ کو کامیاب کرا کر بحیرۂ احمر کے دونوں ساحلوں پر رومی اثر و نفوذ قائم کر لیا جائے' اور ایسا ہی ہوا۔ حبشہ کا نجاشی ابرہہ بہت جوشیلا مسیحی تھا۔ اس نے یمن میں ازسرنو گرجے تعمیر کیے اور شہداء کی یادگار قائم کی۔ صنعاء میں ایسا عظیم الشان کلیسا بنایا کہ دور و نزدیک سے لوگ اس کی زیارت کو آئے۔ عربوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ اس نے خانۂ کعبہ کے مقابلے پر یہ کلیسا تعمیر کیا ہے۔ ایک بدوی نے غصے میں آکر اسے اپنی غلاظت سے ناپاک کر دیا۔ اس اہانت کا بدلہ لینے کے لیے ابرہہ

نے خانۂ کعبہ پر چڑھائی کر دی۔ ان کے لشکر جرار میں ایک عظیم الجثہ ہاتھی بھی تھا۔ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو بچایا' اس کا بیان سورہ الفیل (نمبر ۱۰۵) میں موجود اور مشہور ہے۔ ذونواس کے مقابلے میں یمن کے عرب رومیوں کے بھیجے ہوئے حبشیوں کو لے آئے تھے۔ اب حبشیوں سے چھٹکارا پانے کے لیے انہوں نے ساسانی شہنشاہ کو دعوت دے ڈالی۔ یہ شہنشاہ پہلے ہی جزیرہ نمائے عرب کے مشرقی ساحل پر واقع الحساء اور جنوب مشرق کے ساحل پر عمان میں اپنے باجگزار مسلط کر کے مشرق کی بحری تجارت پر حاوی ہو چکے تھے۔[۱۴] یہ اب یمن پر قابض ہو کر رومنوں کی مشرقی تجارت کے تمام راستے بند کر کے اپنی اجارہ داری قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ رہے سبا اور حمیر کے عرب جن کی بحری تجارت کی صدیوں دھوم مچی رہی تھی' وہ مسیحی یہودی تنازعے میں پھنس کر کہیں کے نہیں رہے۔

حجازیوں نے ابھی تک اپنی خود مختاری کا سودا نہیں کیا تھا۔ لیکن دنیا کی دو عظیم ترین شاہنشاہتوں کے شکنجے میں وہ آ گئے تھے اور یہ شکنجہ تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ شمال اور مشرق سے ان پر فرعونی نظام کے مہیب سائے منڈلا رہے تھے۔ اور خود اندر سے ان دونوں عفریتوں کے لیے زمین ہموار کی جا رہی تھی کہ بعثت نبوی نے دستگیری کی اور یہ بشارت دی کہ اذا ھلک کسری فلا کسری بعدہ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ (جب کسریٰ ہلاک ہو گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہو گا اور جب قیصر ہلاک ہو گا تو دوسرا قیصر نہ ہو گا۔)[۱۵]

حضور ﷺ کی ایک خصوصیت طیبہ مکی آیت میں یوں بیان کی گئی ہے: ویضع عنھم اصرھم والا غلال التی کانت علیھم۔ (اور وہ ان کے کندھوں سے جوئے کا بوجھ اتارتا ہے' جو ان پر لدا ہوا تھا اور وہ زنجیریں کھولتا ہے' جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ (الاعراف ۷: ۱۵۷) اس وقت حال یہ تھا کہ ان پر نیا جوا لادنے اور انہیں نئی زنجیریں پہنانے کے مشورے ہو رہے تھے۔ اس کے سد باب کے لیے قرآن حکیم نے فرعون اور فرعونی نظام سیاست سے متنبہ کرنے' ان سے نفرت پیدا کرنے' ان کے انجام بد اور بالآخر ان کی اسی دنیا میں

ناکامی اور عقبیٰ میں سزایابی کے مضامین میں مکی سورتوں میں بہ تکرار اور بہ تفصیل بیان کیا ہے۔ قرآن حکیم کی تئیس (۲۳) مکی سورتوں[۱۶] میں یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ سورہ المزمل (۷۳) میں جو ترتیب نزول کے اعتبار سے غالباً تیسری سورت ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"انا ارسلنا الیکم رسولا شھیدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا۔ فعصیٰ فرعون الرسول فاخذنٰہ اخذاً وبیلا۔ فکیف تتقون ان کفرتم یوما یجعل الولدان شیبا۔ السمآء منفطر بہ کان وعدہ مفعولا۔" (المزمل ۷۳: ۱۵-۱۸)

تم لوگوں کے پاس ہم نے اسی طرح ایک رسول تم پر نگراں بنا کر بھیجا تھا' جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ فرعون نے رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے بڑے وبال میں اسے پکڑ لیا۔ اگر تم بھی ماننے سے انکار کرو گے تو اس دن کیسے بچ سکو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور جس کی سختی سے آسمان پھٹا جا رہا ہو گا۔ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔

اس طرح بعثت کی ابتدا ہی میں یہ واضح کر دیا گیا کہ جس طرح بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ ؑ نے فرعونی نظام سے نجات دلائی تھی' اسی طرح بنی اسمٰعیل کو اس سے محفوظ رکھنے کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کو شاہد یعنی نگران بنا کر بھیجا گیا۔ فرق' اور بہت بڑا فرق' یہ ہے کہ بنی اسرائیل تو کئی پشت تک فرعونیت کے نظام میں پستے رہے۔ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے صحرائے عرب کے بنی اسمٰعیل کو آنے والے خطرے سے پہلے ہی متنبہ کرنے کے لیے اپنے حبیب ﷺ کو حالات پر نظر رکھنے والا (نگراں) بنا کر مبعوث کیا۔[۱۷]

مکی تنزیل کی تو تئیس (۲۳) سورتوں کی تین سو اکہتر (۳۷۱) آیتوں میں فرعون' اس کے مظالم اور اس کے انجام بد کی تنبیہ ہے۔ سورہ طہ (۲۰) کی تو چوراسی آیتیں مسلسل اسی

مضمون پر محیط ہیں۔ چند اور مکی سورتوں کی کم و بیش یہی صورت ہے۔ لیکن مدنی سورتوں میں سے صرف چار (۴) میں فرعون کا ذکر آیا ہے اور وہ بھی ضمناً اور سرسری سا۔ سورہ البقرہ کی دو آیتوں نمبر ۴۹ اور ۵۰ میں مدینے کے یہودیوں کو اللہ تعالیٰ کا احسان یاد دلایا گیا ہے کہ اس نے انہیں آل فرعون سے نجات دلائی۔ سورہ آل عمران (۳) کی آیت ۱۱ اور الانفال (۸) کی آیات ۵۲ اور ۵۴ میں کداب آل فرعون والذین من قبلھم۔ آل فرعون اور ان سے قبل کے لوگوں کے انجام سے عبرت پکڑنے کے لیے کہا گیا۔ سورۃ التحریم ۶۶ کی آیت ۱۱ میں مومنوں کے لیے فرعون کی بیوی کو[۱۸] اس سے پہلے کی آیت میں حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں اور اس کے بعد کی آیت میں حضرت مریمؑ کو مثالی کردار (مثلاً) کہہ کر پیش کیا گیا ہے۔ مکے میں مسلمان سیاسی طاقت سے یکسر محروم تھے' وہاں وعظ و تبلیغ سے کام لیا گیا۔ مدینے میں وہ خود سیاسی قوت تھے' وہاں مکی تنزیل کے اصولوں پر عملی اقدام کیا گیا۔ چنانچہ ہجرت کے پہلے ہی سال صحیفہ مدینہ کے ذریعے مصطفوی نظام کی بنیاد قائم کر دی گئی' جس میں سیاسی اور دینی اقتدار کی علیحدگی کے ذریعہ آمریت کا مکمل انسداد کر دیا گیا۔ اس کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔

سیرت ابن اسحٰق کی مستند روایت[۱۹] کے مطابق یہ سورہ طٰہٰ تھی جس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کایا پلٹ دی تھی۔ حضرت عمر بلند قامت اور پر ہیبت انسان تھے۔ ان کے جلال اور غصے کا اندازہ ان کی اس کیفیت سے کیا جا سکتا ہے' جس میں وہ اپنے گھر سے تلوار سونتے نکلے تھے کہ آج تو میں سارا قصہ پاک کر کے رہوں گا۔ راستے میں انہیں معلوم ہوا کہ وہ قصہ تو خود ان کے اپنے گھر میں سیندھ لگا چکا ہے۔ بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زید مسلمان ہو چکے ہیں۔ وہ پلٹ کر اپنی عزیز بہن کو لہولہان کر دیتے ہیں۔ پھر یہی عمر جب خلیفہ چنے جاتے ہیں تو ان کی فتوحات کا رقبہ مصر کے فرعون سیتی (Seti)' اس کے بیٹے فرعون رعمسیس ثانی (Ramses II) اور پوتے فرعون فرنفتہ (Merneptah) یعنی قرآن حکیم کے لفظوں میں آل فرعون (فرعونوں کے خاندان) کی مجموعی فتوحات سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا۔

لیکن یہی عمر امیر المومنین ہو کر بیت المال سے صرف اتنا وظیفہ لیتے ہیں جو سد رمق کے لیے کافی ہو۔ برسرعام بڑی بیبیوں کے طعنے خندہ پیشانی سے سنتے ہیں۔ اپنی پیٹھ پر لاد کر اناج حاجت مندوں کے گھر تک پہنچاتے ہیں۔ بیت المقدس کی کنجیاں لینے اس سج دھج سے پہنچتے ہیں کہ ان کی سواری کے اونٹ کا ساربان اونٹ پر سوار ہے اور مابدولت اپنی باری پوری کرنے کے لیے خود اونٹ کی نکیل تھامے پیدل چل رہے ہیں۔ سلطنت کے تمام کام باہمی مشورے سے ہوتے ہیں۔ مدینہ' ایتھنز کے City State کا نقشہ پیش کرتا ہے لیکن ایسا ایتھنز ہرگز نہیں جس میں آزاد اور غلام' شہری اور اجنبی (Alien) کی تفریق تھی۔ یہ کس اس اعجاز تھا؟ یقیناً یہ سب سورہ طہ کی تعلیم کا معجزہ تھا۔ یہ سورہ انہوں نے اپنی زندگی کے نفسیاتی موڑ کے موقع پر تلاوت کی تھی' بلکہ یہی سورت اس موڑ کا سبب بنی تھی۔ اس کے طفیل انہیں نئی زندگی (Spiritual Re-birth) ملی تھی۔ کوئی تعجب نہیں کہ اس کا اثر مرتے دم تک ان کے تحت شعور پر چھایا رہا۔ اسی سورت کی دینی اور سیاسی اقتدار کی جدائی کی تعلیم کا اثر تھا کہ وہ اپنے ہادی ﷺ کے منصب عبدیت (اشهد ان محمدا عبده) اور ان کے مقام رسالت (ورسوله) میں فرق کرنے سے کبھی نہیں چوکتے تھے۔ اور ذات رسالت کی انتہائی تعظیم و ادب اور اس سے والہانہ شیفتگی اور وفور اخلاص بھی اس میں مانع نہیں آتے تھے۔[۲۰] آخر فاروق کا لقب انہوں نے یونہی تو نہیں حاصل کیا تھا۔ غرض' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سورہ طہ کی تلاوت سے پہلے اور بعد کی ساری زندگی کے بعد المشرقین کو اس سورہ کی تعلیم کا اثر نہ جاننا کم از کم تاریخ کے اس ادنیٰ طالب علم کے لیے بہت مشکل ہے۔

قرآن حکیم کے اسلوب بلاغت میں موقع محل کی مناسبت سے کہیں اطناب (یعنی طوالت) اور کہیں ایجاز (یعنی اختصار) ہے۔ سورۂ طہ میں فرعون و موسیٰ کے واقعات کے بیان میں اطناب ہے۔ وہاں حضرت موسیٰ کی ولادت' دریائے نیل میں ان کے گہوارے کے بہائے جانے' فرعون کی بیوی (امتہ فرعون) کے ان کو گود میں لینے' فرعون کے محل میں ان کی

پرورش' ان کی جوانی' فرعون کے خدائی دعوے پر اس کی تہدید کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو مامور ہونے' اس کے دعویٰ الوہیت پر اصرار' اور بالآخر اس کی غرقابی کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت موسیٰ ؑ نے فرعون کو اپنے دعوے سے باز آجانے کی طرف مائل کرنے کے واسطے اس سے جو مناظرہ کیا' اس کی کچھ جھلکیاں بھی پیش کی گئی ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جو دعا کی تھی: واحلل عقده من لسانی (اے میرے رب میری زبان کی گرہ کھول دے) وہ دعا یقیناً سنی گئی۔

سورہ النازعات (۷۹) میں ان ہی واقعات کو ایجاز کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"هل اتٰک حديث موسى. اذناداه ربه بالواد المقدس طوى. اذهب الٰى فرعون انه طغى. فقل هل لک الٰى ان تزكى. واهديک الى ربک فتخشٰى. فأراه الأيه الكبرى. فكذب وعصى. ثم أدبر يسعٰى فحشر فنادى فقال انا ربكم الأعلى. فاخذه الله نكال الاخره والاولى. ان فى ذالک لعبره لمن يخشى." (النازعات ۷۹: ۱۵-۲۶)

کیا تم تک موسیٰ کا واقعہ پہنچا ہے؟ وہ وقت جب کہ ان کے رب نے انہیں طویٰ نام کی مقدس وادی میں پکار کر کہا کہ "اے موسیٰ! جاؤ فرعون کے پاس کہ اس نے بڑی سرکشی کر رکھی ہے' اسے کہو کیا تم پاکیزگی اختیار کرنے کے لیے تیار ہو؟ ایسا ہو تو میں تمہیں رب کا راستہ دکھاؤں اور اس کا خوف تمہارے دل میں ڈالوں؟ موسیٰ نے اسے اللہ کی سب سے بڑی نشانی دکھائی۔ لیکن فرعون نے موسیٰ کو جھٹلایا اور اللہ کی نافرمانی کی۔ یہی نہیں بلکہ ان کے خلاف تدبیریں کرنے

کے لیے پلٹ پڑا اور لوگوں کو اکٹھا کر کے اس نے ہانک لگائی: "میں ہوں تمہارا پروردگار' سب سے بلند!" آخر کار خدا نے اسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا۔ درحقیقت اس میں عبرت کا سامان ہے اس کے لیے جو خدا سے ڈرتا ہو۔

ان آیات میں چوبیسویں آیت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے' جس میں فرعون کا خدائی کا دعویٰ بیان کیا گیا ہے: انا ربکم الاعلیٰ۔ اس کے مختلف انداز میں ترجمے کیے گئے ہیں۔ شاہ عبدالقادر: میں ہوں رب تمہارا سب سے اوپر۔ شاہ رفیع الدین: میں ہوں پروردگار تمہارا سب سے بلند۔ مولانا فتح محمد: تمہارا سب سے بڑا مالک میں ہوں۔ مولانا مودودی: میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ بڑائی کے مفہوم کے مختلف پہلوؤں کے لیے عربی میں مختلف الفاظ ہیں۔ مثال کے طور پر نماز میں اللہ کی بڑائی کا اظہار سب سے پہلے تکبیر تحریمہ میں ہے۔ دنیا کی آلودگیوں سے دست برداری کا اظہار کرتے ہوئے اللہ اکبر کا اعلان ہوتا ہے۔ کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ پھر بندے کی عاجزی آگے بڑھتی ہے' وہ رکوع میں جھک کر سبحان ربی العظیم کہتا ہوا اس کی بڑائی بیان کرتا ہے: پاک ہے میرا رب جو بڑا (عظیم) ہے۔ آخر میں وہ اپنی انتہائی پستی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے سر پر غرور کو مٹی میں ملاتے ہوئے' پاک پروردگار کی بڑائی' اس کی بلندی کا اقرار کرتا ہے: سبحان ربی الاعلیٰ۔ ربی الاعلیٰ یہ دونوں لفظ جواب ہیں' فرعون کے ربکم الاعلی کے۔ حالت سجدہ میں بندہ اپنے پروردگار کی بلندی کے مقابلے میں اپنی پستی کا اعتراف کرتا ہے۔ یقیناً شاہ عبدالقادر بات کی تہ تک پہنچ گئے تھے۔ شاہ رفیع الدین نے اسے بامحاورہ اردو میں پیش کیا اور علامہ عبداللہ یوسف علی نے انگریزی میں اسی مفہوم کو یوں ادا کیا:

I am your Lord, Most High.

جب بنی اسرائیل کو آل فرعون کے مصر سے نجات پانے کے بعد ارض موعود میں قدم جمانے کا موقع ملا تو انہوں نے بادشاہت کی نیو ڈالی۔ اس شاہی خاندان کے بانی حضرت

طالوت ؑ (Saul, C.1150.C.1011 B.C.) تھے' ان کے بعد جانشینی حضرت داؤد (David, C. 101-971/70 B.C.) اور پھر حضرت سلیمان ؑ (Solomon, 971/70-931/30 B.C.) کو ملی۔ یہودیوں نے مصری ملوکیت کے تلخ تجربے کی بناء پر ان بادشاہوں کے ساتھ ایک نبی کو نگران رکھا۔ اس کے لیے پہلے نبی شموئیل یا شمویل (Samuel) کو یہ منصب تفویض ہوا۔ بائبل کی رو سے حضرت موسیٰ ؑ کے بعد ان ہی کو ویسا بلند مرتبہ ملا اور حضرت طالوت کو بادشاہت ان ہی کے مشورے سے دی گئی تھی۔ حضرت شمویل ؑ کے بعد حضرت ناتھن (Nathan) حضرت داؤد ؑ اور حضرت سلیمان کے عہد میں منصب نبوت پر فائز رہے۔ بائبل کی کتاب سلاطین اور سموئیل کی دونوں کتابوں میں ان واقعات کی بڑی تفصیل موجود ہے۔[۲۱] کیونکہ یہ بنی اسرائیل کی سب سے درخشاں عہد کی تاریخ ہے۔

قرآن حکیم نے سورہ البقرہ (۲) کی آیات ۲۴۶ تا ۲۵۱ میں اسرائیلی تاریخ کے اس عہد کے بالکل ابتدائی دور کی چند جھلکیاں دکھائی ہیں۔ اپنے حکیمانہ اسلوب کے مطابق پہلے تو یہ ارشاد فرمایا: الم تر الی الملاء من بنی اسرائیل من بعد موسی اذ قالو النبی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ۔ (کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ "ہمارے لیے بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اللہ کے راستہ میں قتال کر سکیں۔") یعنی پہلے تو قرآن حکیم نے نبوت اور بادشاہت کی تقسیم کو قابل غور قرار دیا۔ پھر آخر کلام (آیت ۲۵۱) میں اس کی حکمت خود بیان کر دی: لولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الأرض ولکن اللہ ذوفضل علی العلمین۔ (اگر اللہ انسانوں میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعے نہ روکتا رہتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا' لیکن اللہ اہل عالم پر فضل کرنے والا ہے۔) اس طرح ضبط' روک (Check) (دفع بعض ببعض) میں دو حکمتیں پوشیدہ تھیں۔ ایک تو بادشاہ پر نبی کی روک ٹوک' دوسرے' جنگ کے ذریعے انسانوں کی باہمی روک تھام جسے آج کل کی اصلاح میں Collective Security

کہتے ہیں۔ اس دوسرے اہم نکتے کا اعادہ سورہ الحج (۲۲) کی اس آیت میں کیا گیا ہے، جس میں مکے کے دربدر کیے گئے مظلوموں کو قتال کی اجازت دی گئی ہے۔ یقیناً یہ Check زمین میں فساد پھیلنے سے بچاؤ کے لیے ناگزیر ہے۔ اس اذن کے ساتھ اس کی حکمت یوں بیان کی گئی ہے:

"ولولا دفع الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد لذى يذكر فيها اسم الله كثيرا" (الحج ۲۲:۴۰)

اور اگر اللہ ایک کو دوسرے کے ذریعے نہ روکتا رہتا تو خانقاہیں، گرجے، یہودی معبد اور مسجدیں ڈھا دی جاتیں جن میں اسمائے الٰہی کا بہ کثرت ذکر ہوتا ہے۔

قرآن حکیم نے مسجدوں کا ذکر سب سے آخر میں کیا۔ سب سے پہلے راہبوں کے مٹھ اور خانقاہوں، پھر عیسائیوں اور ان کے بعد یہودیوں کے معبد کے بچانے کے لیے قتال کی اجازت دی۔ آجکل کی زبان میں کہا جا سکتا ہے کہ مذہب، ضمیر اور خیال کی آزادی کے انسانی حقوق کی ضمانت ضبط (Check) کے سیاسی اصول پر عملدرآمد اور Collective Security ہی کے ذریعے دی جا سکتی ہے۔

اصول سیاست کی رو سے ضبط (Check) کا تلازمہ ہے توازن (Balance)۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

"ووضع الميزان. الاتطغوا فى الميزان. واقيموا الوزن بالقسط ولاتخسروا الميزان." (الرحمٰن ۵۵:۷-۹)

اور اس نے میزان قائم کر دی ہے، تاکہ تم توازن میں خلل نہ ڈالو۔ اور عدل کے ساتھ توازن قائم رکھو اور اس میں ڈنڈی نہ مارو۔

سورہ الشوریٰ ۴۲:۱۷ میں ارشاد ہے:

"اللہ الذی انزل الکتاب بالحق والمیزان"

(وہ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ یہ کتاب اور میزان نازل کی۔)

میزان کو قرآن کے ہم پلہ قرار دے کر کتاب اللہ نے اپنے معجز نما ایجاز کے ساتھ اس کی انتہائی اہمیت اور اعلیٰ مرتبے کو محکم کر دیا ہے۔ ہمارے انگریزی کے مترجمین قرآن نے بجا طور پر Book اور Balance دونوں کو 'Capital 'B سے لکھا ہے۔

مختصراً' قرآنی سیاست کے چار ستون ہیں:

☆ ارتکاز قوت کے فرعونی نظام سے یکسر نفور۔

☆ ضبط (Check)

☆ توازن (Balance) اور چوتھا

☆ تکثیری نظام (Pluralism)

تکثیری نظام ارتکاز قوت کے فرعونی نظام کی عین ضد ہے۔ اس نظام میں معاشرے کے تمام گروہ سیاسی اقتدار میں شریک ہوتے ہیں اور ضبط و توازن کے ذریعے اس نظام کو صحیح خطوط پر قائم رکھتے ہیں۔ مدینے کی شہری ریاست میں اس سلسلے میں عملی اقدامات کے لیے راہ ہموار ہو گئی تھی۔ عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کے معاہدوں کی رو سے اس ریاست کے قیام کی داغ بیل پڑ چکی تھی اور ہجرت کے بعد یہ وجود میں آگئی۔ جس اللہ کے نام پر مکے کے مظلوم مومن جلا وطن کیے گئے تھے (الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ: جنہیں ناحق ان کے گھروں سے نکالا گیا' صرف اس لیے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ الحج ۲۲: ۴۰)' اسی اللہ کی بنائی ہوئی عدل کی میزان پر یہ ریاست استوار ہوئی۔ اس میں فرعون جیسے جھوٹے خداؤں یا خود ساختہ خدائی فوجداروں (مصیطر ۲۲) کے سیاسی اقتدار پر قابض ہو جانے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ چنانچہ ہجرت کے پہلے سال کے اندر اندر رسول اکرم ﷺ نے مدینے کے تمام گروہوں کو صحیفہ مدینہ پر متفق کر لیا اور تکثیری نظام کی بنیاد پر "دنیا کا سب سے پہلا

تحریری دستور"[۲۳] مدون کر لیا۔ اس صحیفے کی بعض اہم سیاسی خصوصیات اگلے صفحے پر درج ہیں۔

مدینے کی نئی مملکت میں ایمان والوں کو نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ سب سے بڑا مسئلہ نو آزاد مملکت میں ایک متحد قوم کی تعمیر کا تھا۔ ایمان والوں میں مکے سے آئے ہوئے مہاجر تھے۔ یثرب میں جو اب مدینۃ النبی تھا اوس و خزرج میں بٹے ہوئے انصار تھے۔ عبداللہ بن ابی کی سرکردگی میں وہ مسلمان جو مومن نہ تھے' جن سے خاصا مفصل تعارف پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے' اور پھر یہودی تھے' یثرب کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ طاقت۔ یہ علی الاعلان اسلام کے بدترین مخالف تھے۔

خدا کے محبوب اور کائنات انسانی کے سب سے بڑے محسن نے اس شیرازے کو سمیٹنے اور ان متحارب گروہوں کو ایک قوم بنانے کے لیے جو اقدامات کیے' ان میں سب سے اہم وہ تھا' جو صحیفہ مدینہ کے نام سے مشہور تھا۔ چونکہ قرآن حکیم سے خلط ملط ہو جانے کے اندیشے کے سبب حدیثوں کو ضبط تحریر میں لانے کی صدر اسلام میں ممانعت تھی' اس لیے عہد رسالت کی شاذ ہی دستاویزیں ہیں' جو معاصر زمانے میں تحریری شکل میں محفوظ کی گئی ہوں۔ اسی لیے اسناد کا علم ایجاد ہوا اور محدثین نے اس سلسلے میں وہ کاوشیں کیں جن کی نظیر دنیائے علم میں نہیں ملتی۔ ان مستثنیٰ دستاویزوں میں سب سے اہم' سب سے طویل اور سب سے ممتاز یہی صحیفہ مدینہ ہے۔ ظاہر ہے یہ مدینے کی سیاسی زندگی کی بنیادی دستاویز تھی اور مدینے کے مختلف بڑے گروہوں کے سرداروں نے اس پر دستخط کیے تھے اور مہریں لگائی تھیں اور یقیناً اس کی نقل اپنے پاس رکھی ہوگی۔ اس لیے عام حدیثوں کے برخلاف اسے اسناد کی چنداں ضرورت نہ تھی' اور غالباً یہی وجہ تھی کہ اسناد کی محتاج حدیثوں کے جمع کرنے والے محدثوں نے اپنے اپنے مجموعہ احادیث میں اسے جگہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن ان عام محدثوں کے برخلاف سب سے متقدم اور سب سے معتبر سیرت نگار ابن اسحٰق (م ۱۵۰/۷۶۷ء) نے اپنی سیرت نبوی میں' اور انہی

کی طرح سب سے متقدم اور سب سے معتبر ماہر علوم مالیات و علم سیاست ابوعبید القاسم بن سلام (م ۸۳۸/۲۲۴ء) نے اپنی کتاب الاموال میں اس کو جگہ دی ہے۔[۲۴] واضح ہو کہ یہ دونوں ائمہ صحیح البخاری کے جامع (م ۸۷۰/۲۵۶ء) سے متقدم ہیں اور ان کے ممدوح۔ ان دو کے علاوہ طبقہ متقدمین کے دوسرے ائمہ نے بھی اس صحیفے کو اپنی تصانیف میں منضبط کیا ہے، جس کی تفصیل ہمارے عہد کے بین الاقوامی قانون کے ماہر اور ممتاز عالم دین ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی بیش بہا تصنیف الوثائق السیاسیہ للعھد النبوی والخلافہ الراشدہ (طبع ثانی، مصر ۱۹۵۶ء) میں دی ہے۔[۲۵]

اس کی پہلی دفعہ کی ابتدا ہی میں بین المومنین والمسلمین کی توضیح کر کے ان دونوں میں تفریق کر دی گئی ہے اور اس طرح عبداللہ بن ابی کے گروہ کے یثرب کے مسلمانوں کو ایمان والوں کے مقابل ایک مستقل فریق بنا دیا گیا ہے۔ ان بظاہر مسلمان اور بباطن منافقوں کے خبث باطن کا قرآن حکیم میں تفصیل سے ذکر ہے، جس سے مطلوب ایمان والوں کو ان سے خبردار کرنا اور خود ان پر یہ واضح کرنا تھا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ان کے اسلام کے دعوے کی حقیقت سے بخوبی واقف ہیں۔ ورنہ ان کی بڑی سے بڑی غداری پر انہیں کوئی سزا نہیں دی گئی۔ کیونکہ یہ ایمان والوں سے الگ ایک فریق معاہد تھے۔[۲۶] اور تکثیری نظام بہت صبر و تحمل کا تقاضا کرتا ہے۔

ان مومنوں اور سیاسی مسلمانوں کے علاوہ تیسرا فریق یہودیوں کا تھا۔ جیسا کہ خاکسار شروع میں عرض کر چکا ہے، ان یہودیوں میں ایک بڑا حصہ ان عربوں کا تھا جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ ان کے علاوہ وہ یہودی قبائل تھے جو نسل اور مذہب دونوں اعتبار سے یہودی تھے۔ اس معاہدے کی دفعات نمبر ۲۵ تا ۳۳ سے ظاہر ہے کہ معاہدے میں شریک بنو عوف، بنو النجار، بنو الحارث، بنو ساعدہ، بنو جشم، بنو الاوس، بنو ثعلبہ اور بنو شطیبہ کے یہود تھے۔ یہودی النسل قبائل بنو قینقاع، بنو النضیر اور بنو قریظہ کے نام اس معاہدے میں

شامل نہیں ہیں۔[۲۷] اور سب سے طاقتور خیبر کے یہودی تو مدینے سے بہت فاصلے پر تھے۔ اس معاہدے کی دفعہ نمبر ۲۵ میں یہود بنی عوف کے ساتھ جو معاملہ طے پایا ہے' دوسرے قبائل کے یہود کے ساتھ بالوضاحت اور نام بنام وہی معاملہ قرار پایا ہے۔ دفعہ نمبر ۲۵ کے الفاظ یہ ہیں:

"وان یھود بنی عوف امه مع المومنین للیھود دینھم وللمسلمین دینھم مواليھم وانفسھم الامن ظلم وأثم فانه لایوتغ الانفسه واھل بیته."

اور یہ کہ بنو عوف کے یہود ایمان والوں کے ساتھ مل کر ایک امت ہوں گے۔ یہود کے لیے ان کا دین اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین۔ اس میں ان کے موالی (حلیف اور تابع) اور یہ خود شامل ہوں گے۔ البتہ ان میں سے جو بھی ظلم اور جرم کا مرتکب ہو گا' وہ بھی صرف اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو نقصان پہنچائے گا۔

مندرجہ بالا دفعہ کی شق: ان یھود بنی عوف امه مع المومنین لائق توجہ ہے۔[۲۸] قرآن حکیم میں "گروہ" کے لیے تین الفاظ مستعمل ہوئے ہیں: قوم' امّت اور ملّت۔ لفظ قوم کا استعمال مجرد اور ضمائر کے ساتھ (قوم یعنی قومی' قومنا' قومک' قومھا' قومھم) ۳۸۳ مرتبہ ہوا ہے۔ یہ بیشتر گروہ بندی کے بغیر محض "لوگ" کے معنی میں اور کمتر خونی (Ethnic) رشتے میں منسلک جماعت کے لیے آیا ہے: "قوم نوح و عاد و ثمود"۔ "قوم لوط" "قوم فرعون" وغیرہ اور محض "لوگ" کے مفہوم کے لیے: قوم یعقلون (عقل والے لوگ)' قوم یتفکرون (سوچنے سمجھنے والے لوگ)' قوم یجھلون (جہالت زدہ لوگ)' القوم الظالمین (ظالم لوگ) وغیرہ۔

لفظ ملہ: ملۃ ابراہیم' ملہ ابیکم ابراھیم' ملہ آبائی ابراہیم' واسحٰق ویعقوب جیسی تراکیب کے

ساتھ آٹھ بار آیا ہے۔ لتعودن فی ملتنا (الاعراف ۷:۸۸) میں قوم شعیب نے دھمکی دی کہ ہماری ملت میں واپس آجاؤ ورنہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ ایمان لانے والوں کو دیس نکالا دے دیں گے۔ اگلی آیت میں حضرت شعیبؑ کے جواب میں یہ الفاظ آئے ہیں: ان عدنا فی ملتکم (اگر ہم تمہاری ملت میں لوٹ آئے)۔ اور یہی صورت اویعیدوکم فی ملتھم۔ (الکہف ۱۸:۲۰) میں ہے۔ البقرہ ۲:۱۲۰ میں ارشاد ہے کہ اے پیغمبرؐ یہود اور نصاریٰ تم سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے' جب تک تم ان کی ملت کی پیروی نہ کرنے لگو۔ (حتی تتبع ملتھم)۔ ملہ قوم لایومنون باللہ وبالآخرہ ھم کافرون (یوسف ۱۲:۳۷) یعنی "ایسی قوم کی ملہ جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتی اور آخرت کا انکار کرتی ہے۔" اس آیت میں قوم اور ملہ کے الفاظ اکٹھے آئے ہیں اور اپنے معانی کے فرق کو واضح کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے ان تمام آیتوں میں لفظ ملہ "دینی رشتے والے گروہ" کے لیے استعمال ہوا ہے۔

امتہ بڑا معنی خیز لفظ ہے' یہ ام بمعنی ماں' اصل' جڑ' بنیاد (ام الکتاب' ام القریٰ) سے مشتق ہے۔ قرآن حکیم نے اس چرند' پرند' جن وانس سے لے کر انبیاء علیہم السلام تک کے گروہ کے لیے استعمال کیا ہے۔ ان سب میں اصلیت کے لحاظ سے متحد ہونے کا مفہوم مضمر ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں: وما من دابہ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم۔ (الانعام ۶:۳۸) زمین میں چلنے والے چوپائے اور ہوا میں پروں سے پرواز کرنے والے پرندے' ان سب کی تمہاری ہی طرح کی "امتیں" (امم جمع امہ) یعنی انواع واجناس ہیں۔ قال ادخلوا فی امم قد خلت من قبلکم من الجن والانس فی النار (الاعراف ۷:۳۸) کہا جاؤ تم بھی اسی جہنم میں چلے جاؤ' جس میں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں کی "امتیں" یعنی ٹولے جا چکے ہیں۔" قیل یانوح اھبط بسلام منا وبرکات علیک وعلی اممم ممن معک وامم سنمتعھم ثم یمسھم منا عذاب الیم۔ (ھود ۱۱: ۴۸) حکم ہوا' اے نوح اب (کشتی سے) اتر جاؤ۔ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں ہیں تم پر

اور (مرد و زن' چرند' پرند' چوپائے اور درندے' پھل' پھول اور پودے کی) "امتوں" یعنی انواع پر جو تمہارے ساتھ ہیں" اور کچھ "امتیں" یعنی انسانوں کے گروہ ایسے ہیں' جن کو ہم نے کچھ مدت کے لیے مال و متاع دے رکھا ہے' پھر ان پر عذاب ہو گا' دردناک۔ ولکل امه اجل فاذا جاء اجلهم لایستاخرون ساعه ولا لسبتقدمون۔ (الاعراف ۷ : ۳۴) ہر "امت" یعنی نوع و جنس کے لیے مہلت کی ایک مدت ہے' جب وہ پوری ہو جاتی ہے تو ایک گھڑی بھر کی تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ" حضرت ہارون" حضرت عیسیٰ" اور حضرت مریم" ان سب کے ذکر کے بعد ارشاد ہوا۔ ان هذه امتكم امه واحده وانا ربكم فاتقون۔ (المومنون ۲۳ : ۵۲) یہ تم (انبیاء کی) "امت" یعنی جماعت اپنی اصل میں' ایک "امت" یعنی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں' سو مجھ سے ڈرتے رہو۔ ایسی ہی تنزیل (الانبیاء ۲۱ : ۹۲) حضرت عیسیٰ" اور حضرت مریم" کے بارے میں ہے' جس میں انہیں رب کی عبادت کرتے رہنے کا حکم ہے۔

رسول کریم ﷺ نے مملکت کی بنیاد کی بنیاد پر متحد ہونے والے گروہ کے لیے قرآن حکیم کے ان تین لفظوں میں سے امه کا لفظ منتخب کیا تھا۔

موجودہ سیاسی اصطلاح میں Nation اور Nationality کے درمیان اکثر تفریق کی جاتی ہے۔ اس کی بحث میں الجھے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ

> مذہبی اور Ethnic بنیادوں پر قائم Nationality کے لیے قرآن حکیم نے علی الترتیب ملہ' اور "قوم" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جب کہ صحیفہ مدینہ کی رو سے Nation کی بنیاد ریاست' یا مملکت (State) ہے۔ Nation کے اس تصور کو پیش کرنے کے لیے صحیفہ مدینہ نے قرآن حکیم کی "بنیاد" کا مفہوم رکھنے والی اصطلاح امه اختیار کی' لیکن ہم نے قرآنی اصطلاح ملہ کی جگہ "امت" کو اپنا لیا اور Nation کے

لیے قوم کا لفظ استعمال کرنے لگے۔ اس طرح قرآن حکیم کو پس پشت ڈالنے سے جو خلفشار پیدا ہوا' اس کے باوجود دو قومی نظریے کا غالی اسلامسٹ علمبردار بھی اس کے نام پر حلف وفاداری اٹھانے کے باوصف بھارت اور بنگلہ دیش کے مسلمانوں کو پاکستانی قومیت میں شامل کرنے اور اسرائیل کی طرح Laws of Return کو پاکستانی دستور میں شامل کرنے کے لیے نویں ترمیم کے حق میں نہیں ہے' بلکہ ایسی کوئی آواز کسی حلقے سے سننے میں نہیں آئی۔ یہ اللہ کا بڑا احسان ہے۔ وھو یھدی الی سواء السبیل!

صرف یہودی ہی نہیں بلکہ صحیفہ مدینہ کے تمام معاہد گروہوں یعنی مکے کے مہاجر' یثرب کے انصار' ابن ابی کا مسلمانوں کا گروہ اور یہود' سب کے بارے میں اس صحیفے کے شروع ہی میں دفعہ نمبر ۲ میں یہ واضح اعلان کر دیا گیا تھا کہ انھم امه واحده من دون الناس: اور یہ کہ یہ سب کے سب معاہد دوسرے تمام انسانوں کے مقابلے میں ایک امت (یعنی ہماری اصطلاح میں قوم اور علم سیاست کی زبان میں نیشن ہیں۔ دفعہ نمبر ۲۵ کی شق: ان یھود بنی عوف امه مع المومنین اس دفعہ نمبر ۲ کی تفریع و توضیح ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے دفعہ نمبر ۲۵ کی شق کے بڑھانے کی ضرورت یقیناً اس لیے محسوس کی گئی ہو گی کہ غیر مذہب والوں کو اپنی امت یعنی قوم میں شامل کرنے کی تاریخ مذاہب عالم میں یہ پہلی مثال تھی۔ انوکھی! اسی لیے اس کی تاکید اور وضاحت کی گئی۔

اے کاش کہ اس انقلابی اقدام کی یہود نے قدر پہچانی ہوتی! اے کاش کہ عبداللہ بن ابی کے مسلمانوں نے اپنے سیاسی اقتدار کی خاطر اس میثاق پر عملدرآمد کی راہ میں روڑے نہ اٹکائے ہوتے! اے کاش کہ اب بھی ایمان والے اس کو سمجھیں اور اس کا احیاء کریں کیونکہ امن عالم کی ضمانت اس صحیفے کی روح کو عالمی سیاست میں سرایت کرنے سے ہی دی جا سکتی ہے۔

اے کاش!

اس معاہدے کی جان ہے دفعہ نمبر ۲۵ کی مندرجہ بالا شق کے فورا بعد کی شق: لليهود دينهم وللمسلمين دينهم (یہود کے لیے ان کا دین اور مسلمانوں کے لیے ان کا دین)۔ یعنی دفعہ نمبر ۳۷ کے مطابق آپس میں خیرسگالی، خیرخواہی اور بدی کے مقابلے میں نیکی کی پاسداری کرنے والی (ان بينهم النصح والنصيحه والبر دون الإثم)، اور دفعہ نمبر ۲ کے تحت باقی تمام دنیا کے مقابلے میں متحد امہ (امه واحده من دون الناس)، ان فریقوں پر مشتمل تھی جن کے عقیدے سراسر مختلف تھے۔ (نسلی اختلاف تو تھا ہی) انہوں نے معاہدے کی اس شق کی رو سے اپنے اپنے مذہب کو معاہدے کے سیاسی امور سے جدا رکھنے کے عزم کا کھل کر اعلان کیا تھا۔ صحیفہ مدینہ کا یہ اتحاد نظریات اور عقائد کے اختلاف کے احترام پر مبنی ہے۔ یہی وہ اصول ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں P lura lis m یعنی تکثیری نظام کہتے ہیں اور یہی جمہوری اقدار کی روح ہے۔

لليهود دينهم وللمسلمين دينهم۔ واضح طور پر باز گشت ہے، قرآن حکیم کی مکی سورہ الکافرون کی۔ (۲۹) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قل يا ايها الكافرون. لاأعبد ماتعبدون. ولاأنتم عٰبدون ماأعبد. ولاأنا عابد ما عبد تم. ولا انتم عٰبدون ما اعبد. لكم دينكم ولى دين." (الکافرون ۱۰۹:۱-۶)

کہ دیجئے! اے میرے پیغام سے انکار کرنے والو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ نہ تم اس کی پرستش کرو گے، جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ نہ میں ان کی عبادت کروں گا جن کے تم پرستار ہو اور نہ تم آئندہ اس کی پرستش کرو گے جس کی میں عبادت کرتا رہوں گا۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔

سورہ المائدہ کی مدنی آیت میں اس تکثیری اصول کی بڑی دلنشین حکمت بیان کی گئی ہے:

"لکل جعلنا منکم شرعه ومنها جا و لوشاء الله لجعلکم امه واحده ولٰکن لیبلوکم فی ما آتٰکم فاستبقوا الخیرات. الی الله مرجعکم جمیعا فینبئکم بما کنتم فیه تختلفون." (المائدہ ۵:۴۸)

ہم نے تم میں سے ہر ایک گروہ کے لیے الگ شریعت بنائی ہے اور راستہ۔ اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ جو کچھ تم تک پہنچا ہے' اس میں تمہیں آزمائے۔ پس نیکی کی راہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ نکلنے کی کوشش کرو۔ تم سب کو بالآخر اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ پھر وہی تمہیں بتائے گا کہ جن باتوں میں تمہارا آپس میں اختلاف تھا' ان کی حقیقت کیا تھی۔

مندرجہ بالا آیت میں شرعه یعنی شریعت سے الگ منہاج یعنی راستے کا ذکر ہے۔ غالباً یہ راستہ مختلف قوموں کے رسم و رواج کا طور طریق ہے' جسے اصول فقہ کی اصطلاح میں "عرف" اور "عادہ" کہتے ہیں۔ آج کل کی زبان میں Cultural Norms کہہ سکتے ہیں۔ اس سے آگے سورہ الروم کی آیت کا حوالہ آ رہا ہے جس میں نسل اور زبان کے اختلافات کا ذکر ہے۔ اس کی روشنی میں اس قیاس کی تائید کی جا سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کا تاکید اور تکرار کے ساتھ ذکر کیا ہے' اس لیے کہ یہی اصل دین ہے۔ اسی کا ناگزیر تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنی مخلوقات کی تکثیر کو بھی بیان کرے۔ کیونکہ وحدت تو صرف ذات واحد کی صفت ہے اور وہ اس میں یکتا ہے۔ وحدانیت صرف اسی کے لیے مختص ہے۔ وحده لاشریک له۔ اللہ کی مخلوق کا منصب تو یہ ہے کہ وہ اپنی کثرت میں اپنے خالق کی وحدت کا جلوہ دیکھے اور دکھائے۔ چنانچہ قرآن حکیم کے نزدیک اس زمین کی مخلوقات

کی کثرت یعنی رنگا رنگی کا یہ حال ہے کہ:

"وما ذرأ لكم في الارض مختلفا الوانه ان في ذالك لآيه لقوم يذكرون." (النحل ۱۶:۱۳)

ہم نے زمین میں جو کچھ تمہارے لیے بنایا ہے' وہ رنگا رنگ ہے۔ اور اس رنگارنگی میں یقیناً نشانی ہے' ان لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں۔

زمین کی تمام مخلوقات کا یہ مجموعی بیان تھا۔ بعض آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل دی ہے: جمادت میں پہاڑوں کے اندر سفید' سرخ اور سیاہ رنگ کے پتھر اور ان رنگوں کی دھاریاں (الفاطر ۳۵:۲۷)۔ نباتات میں دیکھو کہ بارش کے بعد کیسے رنگ برنگے پھل پھول اگ آتے ہیں۔ (ایضاً) پھر جانداروں میں انسان' چوپائے اور مویشی کہ ان کے بھی اسی طرح مختلف رنگ ہوتے ہیں (ایضاً :۲۸)۔ اور "یادش بخیر" اشرف المخلوقات کہ اس کے کثرت میں بٹے ہوئے ہونے کا سب سے موثر اور دیرپا ذریعہ ہے' انسانوں کا نسلی اور لسانی (Ethnic) اختلاف۔ وحدانی طرز حکومت کے داعی اس اختلاف کی اہمیت سے انکار کرتے ہیں۔ وہ اس طرح اتحاد کی راہ ہموار کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ اپنے لسانی و نسلی گروہ کے بلاشرکت غیرے اقتدار کے حصول کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں اور اس کوشش میں نہ صرف ملکی اتحاد بلکہ ملک کے امن و سلامتی کو غارت کر ڈالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس نسلی اور لسانی اختلاف کو نہ صرف قبول کرتا ہے بلکہ اسے اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"ومن ايته خلق السمٰوٰت والارض واختلاف السنتكم والوانكم ان في ذلك لآيٰت للعٰلمين." (الروم ۳۰:۲۲)

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں (یعنی نسلوں) کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں

بہت ہی نشانیاں ہیں' ان کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے نسلی اور لسانی اختلاف کو زمین و آسمان کی تخلیق کی نشانیوں کے ساتھ جگہ دی' جس سے اس کی غیر معمولی اہمیت کی طرف نشان دہی ہوتی ہے۔ لیکن اس نشانی کو سمجھنے کے لیے عالم ہونے کی شرط ہے۔ ہمارے آپ کے زمانے میں نیشنلزم اور نیشنیلٹی کے طوفانی ابال سے اس آیت کی حکمت عیاں ہوتی ہے۔

قرآن حکیم کثرت کے اس مضمون کو پھیلاتے ہوئے' اس زمانۂ بسیط کی جھلکیاں دکھاتا ہے' جب کہ انسان کی نفس واحدہ سے تخلیق ہوئی تھی۔ (النساء ۴: ۱)' (الانعام ۶: ۹۸)' (الاعراف ۷: ۱۸۹)' (الزمر ۳۹: ۶)۔ وہ یہ بتاتا ہے کہ تخلیق کے بعد کی اس پہلی منزل میں کان الناس امه واحده (انسان امت واحد تھا)۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے امه کا لفظ اپنے اندر کائناتی وسعت کا مفہوم رکھتا ہے' اس لیے تمام انسانوں کے اجتماع کو امہ کہا گیا۔ خالق کو یہ منظور تھا کہ اس کائناتی امت واحدہ میں اختلاف کا بیج بویا جائے (یونس ۱۰: ۱۹' ہود ۱۱: ۱۱۸)۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے امت واحدہ میں مختلف انبیاء کی بعثت کے ذریعہ دینی ملتوں کے اختلاف کی بنیاد رکھ دی۔ ساتھ ہی ان نبیوں پر کتابیں نازل کیں' تاکہ ان کے ذریعے ان اختلافات میں ہم آہنگی پیدا ہو۔ (البقرہ ۲: ۲۱۳)۔ یوں مشیت الٰہی نے ہدایت اور گمراہی' رحمت اور ظلم کی متضاد قوتوں کے ٹکراؤ کا بندوبست کیا۔ (النحل ۱۶: ۹۳' الشوریٰ ۴۲: ۸) جیسا کہ مندرجہ ماسبق سورہ المائدہ کی آیت ۴۸ سے ظاہر ہے کہ باری تعالیٰ نے اس اختلاف کے ذریعے مسابقت یعنی ایک دوسرے سے بازی لے جانے کا جذبہ بیدار کیا۔ خیر و شر کے ٹکراؤ کی جدلیات (Dialectics) کے ذریعے ارتقا کی منزلیں طے کرنا اور مسابقت الی الخیرات کے عمل سے دنیا میں خیر پھیلانا فکر انسانی کا سب سے بڑا چیلنج ہے جسے صرف قرآن و سنت کے تکثیری نظام Pluralism ہی کے ذریعے قبول کیا جا سکتا ہے۔

تکثیری نظام خدائے واحد کی توحید اور مظاہر کثرت والی کائنات کی تخلیق

کے قرآنی تصور کا محور، اور سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰہ والسلام کے شاہکار صحیفہ مدینہ کی بنیاد ہے۔ اس کے اختیار کرنے میں ہی ملت مسلمہ کا مداوا ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ میں دو عامل کارفرما رہے ہیں۔ ایک بعثت نبوی علی صاحبہا الصلوٰہ والسلام۔ دوسرے فتوحات اسلامی جن کا سلسلہ غزوۂ بدر سے شروع ہو گیا تھا۔ بعثت نے اللہ کا تصور دیا کہ ورحمتی وسعت کل شیئ: اور میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ (الاعراف، ۷ : ۱۵۶)۔ اس لیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم کی تنزیلیں سب سے اعلیٰ و اولیٰ رہیں۔ نبی کا تصور دیا کہ وما ارسلناک الا رحمہ للعٰلمین: اور ہم نے تمہیں بھیجا ہے، صرف تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر (انبیاء، ۲۱ : ۱۰۷) اور ولوکنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک (آل عمران، ۳ : ۱۵۹) یہ جو مسلمانوں کی ریل پیل دیکھتے ہو، تو اس لیے ہے کہ آپ سراسر رحمت ہیں۔ قرآن حکیم کے اپنے لفظوں میں: "اگر آپ درشت اور سخت دل ہوتے تو یہ سب لوگ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔" قرآن کا تصور دیا کہ یہ تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔ ھدی للناس (البقرہ، ۲ : ۱۸۵، آل عمران، ۳ : ۴، الانعام، ۶ : ۹۱)۔ فتوحات اسلامیہ کے بعد بھی انہی تصورات کا غلبہ باقی ہے اور رہے گا۔ ما بل بحر صوفہ۔ لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ فتوحات کے نتیجے میں کچھ نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے جو بظاہر بعثت کے بنیادی تصورات سے متصادم نظر آتے ہیں۔ یہ مسائل تھے جنگی قیدیوں کے، غلاموں کے، باندیوں کے، ان کی اولاد کے، جزیہ کے، خراج کے، حربی اور ذمی غیر مسلموں کے۔ یہ سب عہد رسالت کے غزوۂ بدر کے بعد کے مسائل ہیں۔ آگے چل کر انہی کی تفریعات سامنے آئیں۔ پھر اندلس میں ایسے مفتوح غیر مسلموں سے واسطہ پڑا جن کے پاس صرف سب و شتم کا ہتھیار رہ گیا تھا۔[۴۳] ان سے نبٹنے کے لیے آیت قرآنی واصبر علی مایقولون واھجرھم ھجرا جمیلا: "اور

جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ۔[۳۴] (المزمل ۷۳: ۱۰) افسوس ان آیات کریمہ کو عملاً ہمارے فقہا نے منسوخ کر دیا۔ اس سے پہلے ذکر آچکا ہے کہ قتال کی اجازت اس لیے دی گئی کہ راہبوں کے مٹھ گرجا اور عبادت خانے محفوظ رہیں، لیکن بعد کی صدیوں میں اس کے بالکل برعکس ایسا معلوم ہونے لگا کہ قتال کی اجازت اس لیے دی گئی کہ ہمارے فاتح غازی انہیں ڈھا کر اسلام کی شوکت اور قرآن کی حکمت و صداقت کا مظاہرہ کریں اور ہم بے چاروں کے لیے مسجد شہید گنج، بابری مسجد اور بنارس کی اورنگ زیبی مسجد کے ہلاکت خیز طوفانوں کا ورثہ چھوڑ جائیں۔

لیکن خدائے رحمٰن و رحیم کی صفت رحمت جو سب پر غالب ہے اور غالب رہے گی، اس نے چودھویں صدی ہجری میں دنیا کے سیاسی حالات کو ایسا پلٹا دیا کہ وہ اب دارالسلام اور دارالحرب کی تفریق سے نکل کر دارالسلام میں داخل ہوا چاہتی ہے بلکہ داخل ہو گئی ہے جس کی دعا ہم ہر نماز میں مانگا کرتے تھے۔ (میں نے ماضی کا صیغہ جان بوجھ کر استعمال کیا ہے۔ مجھے اپنا بچپن اور لڑکپن کا زمانہ یاد آتا ہے، جب خاکسار اپنے دادا کو ہر نماز باجماعت کے بعد رقت قلب کے ساتھ اللھم انت السلام ومنک السلام والی دعا پڑھتے سنتا تھا اور خشوع و خضوع سے آمین کہتا تھا۔ اب اس دعا کو نماز باجماعت کے بعد اپنے محلے کی مسجد کے امام کی زبانی سننے کے لیے کان ترس گئے ہیں۔)[۳۵] اب اس دارالسلام میں غیر مسلم کی حیثیت مسلمان کے لیے نہ حربی کی ہے، نہ ذمی کی۔ یہ سب معاہد ہیں صحیفہ مدینہ کے معاہد کی طرح۔ جن ملکوں میں عوام کی رائے سے منظور کیے ہوئے دستور (Constitution) موجود ہیں، ان سب کے لیے دنیا کا پہلا تحریری دستور، یہی دستور ہے۔ ہمیں اس کی یاد کو تازہ کرنا ہے۔ اس پر جمے ہوئے صدیوں کے گرد و غبار کو صاف کرنا ہے۔ اس کے مصنف کا یہ ہم پر قرض ہے جسے ہمیں ادا کرنا ہے۔ اس کے لیے ہمیں تکثیری نظام، ضبط و توازن جیسی ناموس اصطلاحیں استعمال کرنی ہوں گی۔ اس لیے کہ ہم دارالسلام میں داخل ہونے کے لیے موت کے منتظر تھے۔ اسی دنیا

کے دارلسلام کے قواعد و ضوابط اور ان کی اصطلاحیں ہم نے وضع نہیں کی ہیں۔ خود صحیفہ مدینہ کے وجود سے ہم غافل تھے' اس کی طرف مستشرق متوجہ ہوئے اور انہوں نے اچھی تحقیق کی۔ لیکن بحمداللہ ہم میں بھی کل تک مرحوم ڈاکٹر محمد حمیداللہ جیسے اہل علم موجود تھے۔ لیکن انہوں نے اس پر نہ حرف آخر کہا ہے' نہ فرض کفایہ ادا کیا ہے کہ اب ہمارے لیے کافی ووافی ہو۔ تحقیق کے مسافر کو ابھی بہت سی منزلیں طے کرنی ہیں۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ (العنکبوت' ۲۹:۶۹) اور جو لوگ ہماری خاطر جدوجہد کریں گے' انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے۔

حواشی:

(۱) علامہ اقبال نے پیام مشرق (۱۹۲۳ء) ص ۲۳۶ پر "صحبت رفتگاں در عالم بالا" کے زیر عنوان کارل مارکس کا نظریہ پیش کرتے ہوئے حاشیے پر اسے ماہر اقتصادیات قرار دینے کے بعد یہ لکھا ہے کہ "اس کی مشہور کتاب موسوم بہ "سرمایہ" کو مذہب اشتراک کی بائبل تصور کرنا چاہیے۔" اور ارمغان حجاز میں "ابلیس کی مجلس شوریٰ" (۱۹۳۶ء) کے زیر عنوان ابلیس کے مشیر کی زبانی مارکس کو یہ خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

وہ کلیم بے تجلی! وہ مسیح بے صلیب!
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب!

برٹرینڈرسل نے مارکس کی نفسیات کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل "ڈکشنری" ترتیب دی ہے:

(بائبل میں خدا کا اسم ذات' یہوہ Yahweh = Dialectical Materialism (جدلیاتی مادیت)

(مسیحا) Marx = The Messiah

(برگزیدگان خدا) The Proletariat = The elect (پرولتاریہ)

(کلیسا) The Communist Party = The Church

(یسوع کا نزول ثانی) The Revolution=The Second Coming (اشتراکی انقلاب)

(جہنم) Punishment of the Capitalists = Hell (سرمایہ داروں کی سرکوبی)

The Communist Commonwealth = The (عہد مسیح موعود کے ہزار سال Millennium

آگے چل کر رسل لکھتا ہے کہ نازیوں کے لیے بھی ایسی ہی لغت تیار کی جاسکتی ہے۔ لیکن ان کے تصورات عہد نامہ قدیم جیسے نظر آتے ہیں جن پر مارکس کی نسبت مسیحیت کا نقش کمتر ہے۔ اور ان کا مسیحا بھی یسوع کی نسبت مکابیوں سے زیادہ مماثل ہے:

Bertrand Russel, History of Western Philosophy, Routledge, London, 2nd Ed., 1961, p.361.

(۲) الاخوان المسلمین کے بارے میں مندرجہ ذیل کتابیں مفید اور مستند معلومات بہم پہنچاتی ہیں:

R.P. Mitchel, The Society of the Muslim Brothers, Oxford University Press, Oxford, 1969.

Ibrahim M.Abu Rabi, Intellectual Origins of Islamic Resurgence in the Modern Arab World, State University of New York, Albany, 1996.

یہ کتاب ہمدردانہ نقطۂ نظر کے ساتھ ساتھ محققانہ تصنیف ہے اور بنیادی مصادر کے وسیع اور گہرے مطالعے پر مبنی ہے۔ مصنف نے لبنان کے حزب اللہ کے شیعی قائد محمد حسین فضل اللہ کا مطالعہ بھی شامل کرلیا ہے۔

الاخوان کے نئے رجحانات پر خالد دوران نے Trans State Islam, No.1. میں محققانہ تبصرہ کیا ہے۔ ان کی یہ تحقیق کہ الاخوان کے دو موجودہ ترجمان عادل حسین اور محمد عمارہ سابق مارکسسٹ ہیں، بہت دلچسپ اور فکر انگیز ہے۔ اس سلسلے میں یہ انکشاف قابل غور ہے کہ ایران کے آیت اللہ مجتہدین مارکس اور مارکسی دانشور فیورباخ Paul Von Feuver Bach کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ Oliver Roy, The Failure of Political Islam, J.B. Tunis Publishers, London, 1994, p.172 یہی مصنف اسلامسٹ لیڈروں پر

مارکسزم کے اثرات کا اکثر مقامات پر ذکر کرتا ہے۔

(۳) خاکسار تحریک کے بانی عنایت اللہ خاں' جو علامہ مشرقی کے نام سے مشہور ہیں' ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے۔ انہوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے علم ریاضی میں اعلیٰ امتیاز کے ساتھ آنرز کر کے Wrangle کا درجہ حاصل کیا تھا۔ ساتھ ہی اس یونیورسٹی سے انہوں نے عربی زبان و ادب میں بھی امتیازی درجے میں آنرز کیا۔ ۱۹۲۶ء میں ان کی ملاقات اڈولف ہٹلر سے ہوئی جو اس وقت تک اپنی Mein Kampf شائع کر چکا تھا۔ اس ملاقات کا اثر علامہ مشرقی پر نمایاں ہے۔ وطن واپس آنے کے بعد انہیں انڈین ایجوکیشنل سروس میں معزز عہدہ پر ملازمت مل گئی۔ اس عرصے میں وہ اپنی مشہور کتاب "تذکرہ" پر برابر کام کرتے رہے۔ اس کی پہلی جلد کے دیباچے پر ۳۰ر مارچ ۱۹۲۴ء کی تاریخ درج ہے۔ (بعد کی جلدوں کی اشاعت کی شاید نوبت نہیں آئی)۔ یہ سات انچ × ساڑھے نو انچ (۷" × ۹½") کے سائز پر باریک خط میں لکھے ہوئے دو سو بہتر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی نمایاں خصوصیت قرآنی آیات کا آٹھ صفحات پر مشتمل اشاریہ ہے' جس کے آخر میں وہ فخریہ نوٹ بڑھاتے ہیں: "قرآن حکیم کی کل آیات کی تعداد ۶۲۴۷ ہے جن میں سے متذکرہ صدر حساب سے کم و بیش ۷۶۹ مکمل یا پارہ ہائے آیات کی تشریح (گویا تخمیناً قرآن کا آٹھواں حصہ پہلی مجلد میں آچکا ہے۔ عربی افتتاحیہ میں [میرے پیش نظر جو نسخہ ہے' اس میں یہ افتتاحیہ شامل نہیں ہے۔] علیٰ ہذا القیاس قریباً ۹۲۶ آیات آچکی ہیں۔ گویا اس حصہ کتاب میں بھی کتاب الٰہی کے ساتویں حصے کی تشریح ہو گئی ہے۔ علامہ مشرقی پرویز صاحب کی طرح حسبنا کتاب اللہ (ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے) کے قائل ہیں' لیکن ان کے برعکس وہ حجیت حدیث کی بحث میں نہیں الجھتے' نہ علامہ اقبال یا کسی اور شاعر کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ انہیں شعر سے کوئی لگاؤ نہیں۔

اپنے لائحہ عمل کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انہوں نے استعفا دے کر ۱۹۳۱ء میں خاکسار تحریک کی بنیاد رکھی۔ نازی Storm Troopers کے طرز پر خاکساروں کی وردی خاکی ہوتی تھی اور یہ انہی کی طرح تیز دھاری والے بیلچے سے مسلح چاق و چوبند اور بہت منظم تھے' اطاعت امیر پر سختی سے کاربند۔ لیکن نازیوں کے نسلی تعصب کے عین برعکس انہوں نے اخوت کو اپنا تنظیمی شعار بنا لیا تھا۔ یہی لفظ کرنوں سے مزین ان کے جھنڈے اور ہر خاکسار کے دائیں بازو کے بیج پر ہوتا تھا۔

ان کے عروج کا زمانہ مسلم لیگ کے احیاء اور تحریک پاکستان سے متصادم ہو گیا۔ بعض خاکساروں نے اس رقابت کا اظہار ۱۹۴۳ء اور ۱۹۴۷ء میں قائداعظم پر قاتلانہ حملے کی شکل میں کیا۔ (دوسرے حملے نے زیادہ شہرت نہیں پائی)۔ تحریک پاکستان کی کامیابی اور خاکساروں کے معاملے میں قائداعظم کے انتہائی صبر و تحمل نے خاکساروں کی تحریک کا خاتمہ کر دیا۔

اس اسلامسٹ تحریک نے اپنی نسبتاً مختصر زندگی میں الاخوان کی نظریاتی کاوش، خدمت خلق، نچلے متوسط طبقے کے لیے کام اور ان میں مقبولیت سے لے کر Anarch Islamism تک کے تمام مراحل طے کر ڈالے تھے۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ حسن البنا، سید قطب اور مصطفیٰ السباعی کی شخصیات عنایت اللہ المشرقی کی ذات واحد میں جمع ہو گئی تھیں۔ (☆) ان پر مستقل تصنیف تو کجا کوئی سیر حاصل تبصرہ بھی میری نظر سے نہیں گزرا۔ متفرق بیانات اور تبصروں کے لیے ملاحظہ ہو:

R. Coupland, *Indian Politics*, Oxford University Press, 1944 pp.49-52; Wilfred C.Smith, *Modern Islam in India*, Ripon Printing Press, Lahore, 1947, pp. 235-45; Stanley Wolpert, *Jinnah of Pakistan*, Oxford University Press, 1984, pp.179, 180, 224 & 329; J.M.S. Baljon *Encyclopaedia of Islam*, 2nd Ed., Vol. IV, 916/2, Art. Khaksar.

(۴) اسلام کے خلاف عجمی سازش کو بے نقاب کرنے کے مدعی پرویز صاحب نے نامۂ مبارک کو چاک کرنے والے عجمی کسریٰ کا نام اختیار کر لیا تھا۔ ان کے بارے میں سب سے اچھا اور جامع تبصرہ ریورینڈ بٹلر صاحب کا ہے۔ Dr. Robert A. Butter, S.J. *Trying to* Respond, Comp & Ed. By M. Ikram Chaghatai, Pakistan Jesuit Society, Lahore, 1994, pp.179-241

اس مقالے کی نادر خوبی یہ ہے کہ یہ پرویز صاحب کے مطالعے اور ان کی تصحیح و ترمیم کے مرحلے سے گزر چکا ہے۔ اس کے ساتھ کتابیات کی جامع فہرست بھی شامل ہے۔ ان تحریروں سے مرحوم بٹلر

(☆) افسوس! ہمیں فاضل مقالہ نگار کی اس رائے سے اتفاق نہیں ہے۔ (ادارہ)

صاحب نے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔

پرویز صاحب کی مبسوط اور طول طویل تصانیف کا علامہ مشرقی کی نسبتاً مختصر مگر بہت معنی خیز تصنیف "تذکرہ" کے ساتھ تقابلی مطالعہ بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پرویز صاحب نے خاکسار تحریک کی عسکری تنظیم سے عبرت پکڑتے ہوئے، عسکری تو کجا، عام سیاسی یا غیر سیاسی انجمن سازی سے بھی پرہیز کیا اور بزم طلوع اسلام آخر تک بزم ہی رہی۔ بزم یاراں، حلقہ احباب، جس کا کوئی رکن یا عہدیدار نہ تھا۔ پرویز صاحب کے بعد یہ بزم بکھر گئی۔

(۵) جماعت اسلامی اور اس کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی پر اردو، انگریزی اور عربی میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ان میں پروفیسر محمد سرور کی کتاب: مولانا مودودی کی تحریک اسلامی (سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور ۱۹۵۶ء) غالباً سب سے سنجیدہ اور بھرپور تصنیف ہے، جو عموماً دراز سے نایاب ہے۔ اس موضوع پر جناب خالد دوران کے Translate Islam کے شمارہ نمبر ۴ میں دو مقالے قل و دل تحریر کا بہت اچھا نمونہ ہیں۔

(۶) The New Bible Dictionary (N.B.D.), Ed. J.D. Douglas Et Al. Inter-Varsity Press, London 1970, pp.350/1 & 1077/2-107/8/2

ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے مابل بحر صوفہ کا ترجمہ کیا ہے "جب تک کہ سمندر کسی سیپ کو گیلا کرتا رہے۔" (رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ادارۂ اسلامیات، لاہور، ۱۳۶۹ھ، ص ۳۶۲، ۳۶۸ اور ۳۷۱)۔ غالباً انہیں صوف اور سیپ کی صوتی مشابہت کی وجہ سے اشتباہ ہوا ہے۔ "سیپ" سنسکرت کا لفظ ہے۔ Monier-Williams نے اپنی Sanskrit-English Dictionary میں اس کی تعریف یوں کی ہے: Sipol, A Vessel for Making Libations (P.1218/3) (جل ارپن کے کام آنے والا ظرف) اس سے پہلے "شنکھ" (سنکھ) کی تعریف اس طرح ہے: Sarikha, A. Shell (Esp.) The Conch-Shell (Used for Making Libation of Water) (P.1047/2) اس سے ظاہر ہے کہ جل ارپن کے لیے استعمال کیے جانے والے ظرف سے مماثلت کے سبب "صدف" کو "سیپ" کہنے لگے۔

(۷) لسان العرب اور تاج العروس میں مادہ ص و ف کے تحت درج ہے کہ جانوروں کی اون جیسی شکل کی سمندری چیز کو صوف البحر کہتے ہیں۔ صوف جمع ہے صوفہ کی۔ بیشگی کے مفہوم والے مقولوں (الابدیات) میں سے ہے: لا آتیک ما بل بحر صنوفہ میں عربی لغات سے Lane, Arabic-English Lexicon, P.1748/2 اقتباسات کا ترجمہ دینے کے بعد Lane لکھتے ہیں کہ بظاہر اس سے مراد Sea-weed ہے جو بحیرۂ احمر کے ساحلوں پر بکھری نظر آتی ہے۔ اس کے بعد وہ بہت اشتیاق کے ساتھ Dr. William Smith کی Dictionary of the Bible میں درج اپنے بھانجے Edward Stanley Poole کے مقالے کا حوالہ دیتے ہوئے اسے عبرانی لفظ "صوف" کا مترادف قرار دیتے ہیں۔

(۸) اس جملے کا King James Version میں یوں ترجمہ کیا گیا ہے: "He shall dwell in the presence of all his kinsmen." جسے برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی نے اردو میں یوں منتقل کیا ہے: "وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا۔" آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹی نے مختلف کلیساؤں اور نمائندہ کلیسائی تنظیموں کی شرکت کے ساتھ The New English Bible شائع کی ہے، جس میں نہ صرف زبان کو موجودہ، مروجہ، مستند، محاورے کے مطابق کیا گیا ہے، بلکہ تازہ ترین تحقیقات کے مطابق ترجمے کے متن کی بھی تصحیح و ترمیم کی گئی ہے۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی کا زیر نظر اردو ترجمہ پرانی کڈھب زبان میں ہے، اور وہ King James Version کا تتبع کرتا ہے۔ اس لیے ہم نے بائبل کے اقتباسات The New English Bible سے لیے ہیں اور ان کا خود ہی ترجمہ کیا ہے۔ مندرجہ اقتباس میں Will Live to the East of all his kinsmen ترمیم شدہ متن کے مطابق ہونے کے علاوہ بنو اسمٰعیل کی بستیوں کے جغرافیائی محل وقوع کی حقیقت سے بھی میل کھاتا ہے۔

(۹) ملاحظہ ہو الشنفری کا قصیدۂ لامیہ العرب اور ابو تمام کے دیوان الحماسہ کا پہلا باب بالخصوص الشنفری کے صعلوک ساتھی تابط شرا کے قصیدے۔

(۱۰) گورخر کے لیے عربی لفظ "عیر" کلاسیکی عربی شاعری میں عام طور پر مستعمل ہوا ہے۔ اس کا مادہ ع ی ر کے معنی ہیں۔ ذھب و جاء مترددا (وہ نکل کھڑا ہوا اور ادھر ادھر گھومنے کے بعد لوٹا)۔ اس

سے اسم فاعل عائر کے معنی ہیں: آلجوال (سیلانی)۔

(۱۱) Philip K. Hitti, *History of the Arabs*, McMillan, Ed., 1956, pp. 584-85.

(۱۲) تاریخ طبری، طبع لیڈن، ج ۱، ص ۹۴۵-۹۴۶۔ محمد حمید اللہ، سیاسی زندگی، ص ۱۴۰، Biran Doe, *Southern Arabia*, New + Hitti, pp. 61-62 Aspects of Antiquity Series, McGraw Hill, New York, 1971, pp.28-29.

(۱۳) حسب حاشیہ ماسبق۔

(۱۴) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب، سیاسی زندگی، (ص ۱۴۱ تا ۱۴۹ اور ۲۸۹-۲۹۰) میں عرب مصادر طبری اور ازرقی کے ساتھ ساتھ یمن کے کتبات اور لاطینی مراجع سے ماخوذ معلومات کا قیمتی مواد فراہم ہو گیا ہے جس پر راقم الحروف نے عربوں کی بحری تاریخ اپنی کاوشوں پر مبنی تجزیے کا اضافہ کیا ہے۔

(۱۵) صحیح بخاری، باب علامت المنیوہ۔

(۱۶)

۱۔	الاعراف، ۷: ۱۰۳ تا ۱۴۱	(۳۹ آیات)
۲۔	یونس، ۱۰: ۷۵ تا ۹۳	(۱۸ آیات)
۳۔	ہود، ۱۱: ۹۶ تا ۹۹	(۴ آیات)
۴۔	ابراہیم، ۱۴: ۶ تا ۸	(۳ آیات)
۵۔	الاسراء (بنی اسرائیل): ۱۰۱ تا ۱۰۴	(۴ آیات)
۶۔	طہٰ، ۲۰: ۹ تا ۸۲	(۷۴ آیات)
۷۔	المومنون، ۲۳: ۴۵ تا ۴۹	(۵ آیات)
۸۔	الشعراء، ۲۶: ۱۰ تا ۶۸	(۵۹ آیات)
۹۔	النمل، ۲۷: ۷ تا ۱۴	(۸ آیات)
۱۰۔	القصص، ۲۸: ۱ تا ۴۳	(۴۳ آیات)
۱۱۔	العنکبوت، ۲۹: ۳۹ و ۴۰	(۲ آیات)
۱۲۔	ص، ۳۸: ۱۴ تا ۱۴	(۳ آیات)
۱۳۔	غافر (المومن)، ۴۰: ۲۳ تا ۵۵	(۳۳ آیات)

۱۴۔	الزخرف' ۴۳:۴۶ تا ۵۶	(۱۱ آیات)
۱۵۔	الدخان' ۴۴:۱۷ تا ۳۳	(۱۷ آیات)
۱۶۔	ق' ۵۰:۱۲ تا ۱۴	(۳ آیات)
۱۷۔	الذاریات' ۵۱:۳۸ تا ۴۰	(۳ آیات)
۱۸۔	القمر' ۵۴:۴۱ تا ۵۵	(۱۵ آیات)
۱۹۔	الحاقہ' ۶۹:۹ تا ۱۰	(۲ آیات)
۲۰۔	المزمل' ۷۳:۱۵ و ۱۶	(۲ آیات)
۲۱۔	النازعات' ۷۹:۱۵ تا ۲۶	(۱۲ آیات)
۲۲۔	البروج' ۸۵:۱۷ تا ۲۰	(۴ آیات)
۲۳۔	الفجر' ۸۹:۹ تا ۱۴	(۶ آیات)
	کل:	۳۷۰ آیات

(۱۷) شهد الشی عاینه واطلع علیه۔ "شہد" کے معنی ہیں' کسی نے کسی چیز کو دیکھا۔ اس پر مطلع ہوا۔ اسی سے اس کے ثانوی معنی عینی گواہ ہیں۔ سیاق کلام سے معنی اولیٰ قابل ترجیح نظر آتا ہے۔

(۱۸) واشنگٹن کے مجلّہ National Geographic میں Rick Gore, Ramses, the Great, Vol.179, No.4, April 1991, pp.2-31. شائع ہوا ہے' جس میں اس مجلّے کی روایات کے مطابق تصویروں اور نقشوں کی مدد سے رعمسیس ثانی کے بارے میں تازہ ترین انکشافات کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ صفحہ ۲۵ پر یہ درج ہے کہ رعمسیس ثانی نے اپنی بیوی Nefertaic کی قبر پر جو کتبہ تحریر کروایا ہے' اس میں یہ الفاظ درج تھے۔ (ترجمہ):

"Possessor of Charm, Sweetness and Love "Words of Uncharacteristic Tenderness." فاضل مصنف یہ لکھتے ہیں کہ رعمسیس کے الفاظ کی یہ نرم دلی فرعونوں کے دستور کے خلاف تھی' لیکن قرآنی امرأت فرعون کے کردار کی دلکشی' شیرینی اور محبت کے عین مطابق تھی۔

(۱۹) سیرہ ابن اسحاق' ص: ۲۲۵-۲۲۷۔ ابن اسحاق اس روایت کو نقل کرنے کے بعد یہ تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی یہی روایت اہل مدینہ میں مشہور ہے۔ امام مالک اہل مدینہ کی روایتوں کو بجا طور پر فوقیت دیتے تھے' اس لیے کہ صاحب البیت ادری بمافیہ (گھر والے ہی کو گھر کے اندر کی خبر ہوتی ہے)۔ لیکن تعجب ہے کہ علامہ شبلی نعمانی الفاروق (طبع اول' معارف پریس' اعظم گڑھ' ص ۳۱-۳۲) اور سیرۃ النبی (ج ۱' حصہ اول' معارف پریس' اعظم گڑھ' ص ۲۲۵) میں ایک ضعیف حدیث کی بنا پر حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا سبب سورہ الحدید' ۵۷ کی پہلی آیت سبح للہ ما فی السموت والارض وھو العزیز الحکیم (جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' وہ سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور اللہ سب پر غالب آنے والا اور سب سے زیادہ دانائی والا ہے) کو قرار دیتے ہیں۔ ان کے فاضل شاگرد سید سلیمان ندوی' سیرۃ النبی (ج ۳' معارف پریس' اعظم گڑھ' طبع سوم' ۱۹۷۷ء' ص ۶۳۴ تا ۶۳۹) میں طویل بحث کے دوران بجا طور پر اس روایت کو مہمل بتاتے ہیں۔ کیونکہ یہ محقق ہے کہ سورہ الحدید مدینے میں نازل ہوئی تھی (ص ۶۳۵)۔ لیکن سید صاحب خود ایک منقطع حدیث کو قبول کر لیتے ہیں' جس کے راوی نے حضرت عمرؓ سے حدیث نقل کی' حالانکہ اس نے کبھی حضرت عمرؓ سے ملاقات نہیں کی تھی۔ یہ حدیث منقطع سہی' لیکن مسند احمد بن حنبل میں موجود ہے۔ پھر وہ اس منقطع حدیث کی اہل مدینہ میں مشہور روایت سے تطبیق کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود قائل ہیں کہ ابن اسحٰق کی زیر بحث روایت میں "جو واقعات بیان ہوئے ہیں' ان میں سے متعدد ٹکڑوں کی صحیح روایتوں سے تائید ملتی ہے۔" (ص ۲۳۶ حاشیہ)۔

موجودہ زمانے کے جید عالم دین اور عارف ابوبکر سراج الدین (سابق Martin Lings) نے سیرت کی انگریزی کتاب میں ابن اسحاق کی اہل مدینہ میں مشہور روایت کو قبول کرتے ہوئے' اسے اپنی دلآویز انگریزی طرز تحریر میں منتقل کر دیا ہے۔ PP. 85-88

روایت کے اسناد کے اصولوں کا احترام کرتے ہوئے' راقم الحروف نے اس حاشیے کا اضافہ کیا۔ ورنہ متن کی توثیقات کے بعد اس کی ضرورت نہ تھی۔ والحمد والمنہ للہ العلیم الخبیر! دیکھئے ضمیمہ (الف)

(۲۰) حضرت عمرؓ نے بہت سے سیاسی امور پر رسول اللہ ﷺ کے فیصلے سے اختلاف کا اظہار کیا۔ مثلاً غزوۂ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہائی بخشنے کی شان رحمہ للعالمینی کو وہ نہیں سمجھ سکے اور اپنے اختلاف رائے کا برملا اظہار کیا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی ان کی جلالی طبیعت "دب کر" صلح کرنے سے ابا کرتی رہی۔ اور رئیس المنافقین کے جنازے کی نماز پڑھنے کے بارے میں بھی آنحضرت ﷺ سے متفق الرائے نہ تھے۔ (نماز سے یہ نہ سمجھنا جائے کہ یہ عبادات سے اور اسی لیے مقام رسالت سے متعلق فیصلہ تھا۔) صاحب الفاروق کا یہ بے لاگ تبصرہ ان کی مورخانہ اور فقیہانہ فضلیت کا ثبوت ہے: "حضرت عمرؓ ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے' ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں' ان میں دخل دیتے تو بزرگ مانا در کنار ہم ان کو اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے۔" (شبلی نعمانی: الفاروق' طبع اعظم گڑھ' ۲/۲۳۷)

فاروق اعظم کے "تفرق مراتب کے اصول" پر مزید گفتگو کرتے ہوئے وہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے امہات اولاد کی خرید و فروخت روک دی۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک میں ایک دینار فی کس جزیہ مقرر فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے مختلف ملکوں میں مختلف شرحیں مقرر کیں۔ (الفاروق: ۲/۲۳۷) اور بنو تغلب کے عیسائیوں پر تو جزیہ کی جگہ زکوٰۃ مقرر کر دی۔ (ایضاً)

ہمارے ملک کے فوجی آمروں اور ان کے اسلامسٹ ہوا خواہوں کے نزدیک نفاذ شریعت حدود قائم کرنے کا اگر مترادف نہیں تو اس کا جزو اعظم ضرور ہے۔ لیکن حدود کی سراسر سیاسی حیثیت کے پیش نظر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے حتی الامکان احتراز کا حکم دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ادروا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان له مخرج فخلوا سبیله فان الامام ان یخطئ فی العفو خیر من ان یخطئ فی العقوبه." (اخرجه الترمذی)

جہاں تک ممکن ہو تم حدود کو مسلمانوں سے دور ہٹاؤ۔ اگر ان سے بچنے کی کوئی تدبیر ہو تو انہیں چھوڑ دو۔ کیونکہ حکمراں سے معافی دینے میں خطا سرزد ہو جائے

تو وہ اس سے بہتر ہے کہ سزا دینے میں اس سے غلطی ہو۔ (تیسیر الوصول' تالیف ابن الربیع الشیبانی' طبع مصر' ۱۳۴۶ء' ۲۰/۲)

رحمہ للعلمین اور بالمومنین روف رحیم نے اپنے اس قاعدۂ کلیہ پر کس کس طرح عمل فرمایا' اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

"عن ابن عباس ان النبی ﷺ لم یقت فی الخمر حداو ان رجلاً شرب فسکر فلقی یمیل فی الفج فاتی به النبی ﷺ فلما حاذی بدار العباس انفلت فدخل علی العباس فالتزمه فذکر ذلک النبی ﷺ فضحک وقال افعلها! ولم یامر فیه بشئ۔" (اخرجه ابوداود' (تیسیر الوصول ۱۸/۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کے لیے کوئی متعین سزا نہیں رکھی تھی۔ چنانچہ ایک شخص پی کر مست ہو گیا اور مدینے کی ایک گلی میں جھومتا جا رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی تو جونہی اسے (میرے والد) عباس کا گھر نظر آیا' وہ اس میں گھس گیا اور ان سے گڑگڑا کر اپنی معافی کرانے کی سفارش طلب کرنے لگا۔ آپؐ تک یہ بات پہنچی تو آپؐ ہنسے اور فرمایا کہ اچھا اس نے یہ کیا۔ پھر آپؐ نے اس کے بارے میں کوئی حکم صادر نہیں فرمایا۔

"عن ابی هریره ان سعد بن عباده قال: یا رسول الله ارایت لو وجدت مع امراتی رجلا امهله حتی آتی باربعه شهداء؟ فقال صلی الله علیه وسلم: نعم!" (اخرجہ مسلم و مالک و ابوداؤد' تیسیر الوصل ۳/۲)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ اگر میں اپنی بیوی کے پاس کسی غیر مرد کو دیکھ لوں تو کیا میں اس واقعے کے لیے چار گواہوں کو لائے بغیر اس مرد کو چھوڑ دوں؟ آپؐ نے فرمایا' ہاں!۔

اس حدیث کی دوسری اور زیادہ دلچسپ روایت یوں ہے:

"ارایت رجلاً وجد مع امرأته رجلاً ایقتله؟ قال رسول الله ﷺ: لاقال سعد: بلی والذی اکرمک بالحق' ان کنت لاعاجله بالسیف قبل ذلک. فقال ﷺ: اسمعوا الی مایقول سیدکم." (اخرجہ مسلم و ابوداؤد' تیسیر الوصول: ۳/۲)

اگر کوئی اپنی بیوی کے پاس کسی غیر مرد کو دیکھے تو کیا وہ اسے مار ڈالے؟ اس بارے میں کیا رائے ہے آپ ؐ کی؟ آپ ؐ نے فرمایا: نہیں! تو سعد (بن عبادہ) نے کہا: "قسم ہے' اس ذات کی جس نے آپ ؐ کو درحقیقت کریم الخلق بنایا' آپ ؐ نے درست فرمایا۔ لیکن کاش کہ میں یہ فیصلہ سننے سے قبل ہی تلوار سے اس کا مداوا کر چکا ہوتا۔" آپ ؐ نے فرمایا: تم پہلے اپنے سردار کی بات سن لیا کرو۔

مندرجہ بالا احادیث میں جس اسوۂ حسنہ کی عکاسی ہوتی ہے' اس کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے حدود کو منصب عبدیت کے جلوؤں میں شمار کیا' اسی لیے شراب خوری کی حد کے بارے میں آپ نے مختلف اوقات میں مختلف احکام جاری کیے اور آخر کار حدود کو تعزیرات سے بدل ڈالا اور ان تعزیرات کے لیے جیل خانے تعمیر کروائے۔ بقول شبلی "ان سے پہلے عرب میں جیل خانے کا نام و نشان نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں۔" (الفاروق: ۷۳/۲)

علامہ شبلی نے حضرت عمرؓ کے ان اجتہادی کارناموں کی توجیہہ کرتے ہوئے' شاہ ولی اللہ کی حجتہ اللہ البالغہ سے استناد کیا ہے جس کی مفید بحث کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: "آنحضرت ﷺ سے جو افعال اور اقوال مروی ہیں' ان کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں' ان کی نسبت خدا کا ارشاد ہے کہ وما اتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنه فانتھوا (الحشر' ۵۹: ۷) یعنی پیغمبر جو چیز تم کو دے' وہ لے لو اور جس چیز سے روکے' اس سے باز رہو۔ دوسری وہ جن کا منصب رسالت سے تعلق نہیں۔ چنانچہ ان کے متعلق خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"انما انا بشر اذا امرتکم بشئ من دینکم فخذوا به واذا امرتکم

بشئ من رأیی فانما انا بشر۔" (الفاروق: ۳۲۶/۲ بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ: ص ۱۳۳)

میں آدمی ہوں' میں دین کی بابت جب حکم دوں تو اس کو لو' اور جب میں اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک آدمی ہوں۔

حجۃ اللہ البالغہ کے اجتہادی نکات سے علامہ اقبال نے بھی اجتہاد کے موضوع پر اپنے خطبے میں استفادہ کیا ہے۔ دیکھئے Iqbal's Reconstruction (لاہور' ۱۹۸۲ء) ص ۱۷۲' اس بارے میں تصورات اقبال کی تشکیل نو کرتے ہوئے ہمارے رفیق ڈاکٹر محمد خالد مسعود نے حجۃ اللہ البالغہ کے مضامین کو بڑی خوبی سے سمیٹا ہے۔ (Iqbal's Reconstruction of Ijtihad) اسلام آباد' ۱۹۹۵ء' ص ۴۹۔۵۴

منصب عبدیت اور مقام رسالت سے متعلق دو اور حدیثیں مروی ہیں جو محولہ بالا حدیث کی طرح خالصتاً غیر شرعی معاملے یعنی کھجور کے درخت کی قلم لگانے سے نہیں بلکہ قضایا سے متعلق ہیں:

"عن ابن عباس ان زوج بریرہ کان عبد ایقال له مغیث کانی انظر الیه یطوف خلفها یبکی ودموعه تسیل علی لحیته' فقال النبی ﷺ لعباس' یا عباس! الاتعجب من حب مغیث بریرہ ومن بغض بریرہ معیثاً فقال النبی ﷺ لوراجعته قالت یا رسول الله تامرنی؟ قال انما انا اشفع قالت لاحاجه لی فیه۔"

(اخرجہ البخاری' صحیح البخاری' کتاب الطلاق' باب شفاعۃ النبی فی زوج بریرہ)

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ بریرہ کے شوہر غلام تھے' ان کا نام مغیث تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے وہ نقشہ گھوم رہا ہے کہ وہ بریرہ کے پیچھے پیچھے چکر کاٹ رہے ہیں اور آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے میرے والد عباس ؓ سے کہا: کیسی عجیب بات ہے کہ مغیث تو بریرہ کے عشق میں مبتلا ہے اور بریرہ اس سے بیزار ہے۔ پھر آپ ؐ نے بریرہ

سے کہا کہ تم مغیث سے شادی میں رجعت کر لو۔ بریرہ نے کہا کیا یہ آپ ؐ کا حکم ہے؟ آپ ؐ نے فرمایا: نہیں میں تو مغیث کی سفارش کر رہا ہوں۔ بریرہ نے کہا' مجھے مغیث سے کوئی سروکار نہیں۔

حضرت ام سلمہ سے مروی ہے:

"عن رسول الله ﷺ انه سمع خصومه بباب حجرته فخرج اليهم فقال انما انا بشر و انه يايتنى الخصم فلعل بعضكم ان يكون ابلغ من بعض فاحسب انه صدق فاقضى له بذلك فمن قضيت له بحق مسلم فانما هى قطعه من النار فليأخذها أو فليتركها." (اخرجه البخاری' صحیح بخاری' کتاب المظالم' باب اثم من خاصم فی باطل وهو یعلمه)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرے کے دروازے کے پاس ایک جھگڑا چکا رہے تھے' تو آپ ؐ فریقین کی طرف بڑھے اور فرمایا میں بندہ بشر ہوں۔ میرے پاس مقدمے آتے ہیں' ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے فریق مخالف کے مقابلے میں زیادہ چرب زبان ہو اور میں اس وجہ سے اسے سچا سمجھنے لگوں اور اس کے حق میں فیصلہ دے دوں۔ اگر میں نے کسی مسلمان کے جائز حق میں سے دوسرے کو دے دیا تو وہ جان لے کہ اسے آگ کا ٹکڑا ملا ہے' چاہے وہ اسے رکھ لے' چاہے چھوڑ دے۔

مندرجہ بالا تینوں حدیثوں کے بارے میں مسلک اہل حدیث سے تعلق رکھنے والے عالم دین اور سیرت پر مستند اور مقبول تصنیف رحمه للعالمین کے مصنف قاضی محمد سلیمان منصور پوری کا یہ تبصرہ لائق توجہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "نبی ﷺ ان احکام کو جو شان رسالت سے ظاہر ہوتے' ان افعال و اقوال سے جو بطور بشریت صادر ہوتے' ہمیشہ نمایاں طور پر علیحدہ علیحدہ دکھلانے کی سعی فرماتے۔" (سلمان منصور پوری' رحمتہ للعالمین' پٹیالہ' ۱۹۳۳ء' ۳۰۵/۱)

بنو قریظہ والے واقعے سے ان قولی احادیث کی پرزور تائید ہوتی ہے۔ (سیرہ ابن اسحاق' ص ۶۸۸'

کے ساتھ جو معاملہ ہوا وہ موسوی شریعت کے ایک حکم (استثناء' باب ۲۰' ص ۱۲) کے عین مطابق اور دوسرے حکم (گنتی' باب ۳۱' ص ۳۵-۳۶) سے کہیں زیادہ رحمدلانہ ہو' لیکن شعار رحمۃ للعالمینی سے یقیناً میل نہیں کھاتا تھا۔ آپؐ نے اس اہم ترین قضیے میں حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم بنانا قبول فرمایا۔ نہ ہوئے اس وقت "اسلام پسندوں" کے مورث اعلیٰ "اللہ کی حاکمیت" کے مدعی' وہ ان الحکم الا للہ کا نعرہ لگانے سے ہرگز نہ چوکتے۔ کلمہ حق ارید بھا الباطل! (صحیح مسلم' کتاب الزکوٰۃ' باب التحریض علی قتل الخوارج' حدیث ۱۵۷' عن علی بن ابی طالبؓ)

یہ تفریق منصب عبدیت و مقام رسالت قرآن حکیم سے بھی مبرہن ہے۔ سیاسی معاملات میں حکم خداوندی تھا کہ اے میرے حبیب میرے ان بندوں کی دنیا کے معاملات میں انہی سے مشورہ لیا کیجئے۔ وشاورھم فی الامر (آل عمران ۳' ۱۵۹) رہے روح کے معاملات از قسم عبادات توقل الروح من امر ربی۔ (بنی اسرائیل (الاسراء) ۱۷' ۸۵)۔ کہہ دیجئے کہ روح امر ربی میں سے ہے۔

(۲۱) N.B.D., pp.1036/2-1044/2 & 1134/2-1139/2

(۲۲) لست علیھم بمصیطر (الغاشیہ ۸۸ : ۲۲) ترجمہ شاہ عبدالقادر: نہیں تو (اے رسول) ان پر داروغہ' شاہ رفیع الدین نے بھی لفظ "داروغہ" برقرار رکھا ہے۔ میں نے اسے زیادہ بامحاورہ بنانے کی کوشش میں "داروغہ" کو ترقی دے کر "فوجدار" بنا دیا۔ لسان العرب اور تاج العروس میں مادہ س ط ر میں درج ہے کہ یہ "سین" سے "مسیطر" تھا' لیکن حرف طاء (ط) کے قرب کی وجہ سے "س" کو "ص" سے بدل دیا گیا۔ معنی یہ ہیں: الارباب المسلطون (مسلط ہو جانے والے جھوٹے رب)۔ آگے یہ تشریح ہے کہ جو نگراں بنا دیا گیا ہو' کسی چیز کا یا کام کا اور وہ سب کچا چٹھا اپنی پوتھی میں ٹانکتا رہے۔ "سطر" کے معنی ہیں "لکھنا" اس لیے اس معنے نے یہ ترقی اختیار کی۔

(۲۳) M.Hamidullah, The First Written Constitution in the World, Lahore, Sh. Muhammad Ashraf, 2nd Rev.Ed. 1968.

(۲۴) کتاب الاموال' لمام ابو عبید القاسم بن سلام' تقدیم و ترجمہ و تحشیہ عبدالرحمٰن طاہر سورتی۔ ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد' ج ۱' ص ۳۵۹ تا ۳۶۵۔ عربی متن کے حوالے کے لیے نمبر ۵۱۷ و ۵۱۸۔

(۲۵) ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب محولہ بالا (حاشیہ ۳۱) میں صحیفے کا عربی متن مع اختلاف روایات'

انگریزی ترجمہ مع حواشی' مقدمہ اور مفصل کتابیات شائع کیا ہے۔ موجودہ تحریر میں راقم الحروف نے اسی کتاب سے دفعات کے حوالے دیئے ہیں۔

(۲۶) عبداللہ بن ابی اور اس کے گروہ کے مستقل معاہد ہونے کی تائید صحیفے کی دفعہ نمبر ۹ سے ہوتی ہے' جس میں ابن ابی کے قبیلہ بنو عمرو بن عوف سے معاہدہ کی دیت کی شرائط طے پائی ہیں۔

ابن اسحٰق نے مسجد ضرار تعمیر کرنے والے بارہ افراد کی فہرست فراہم کی۔ ان میں سے آٹھ اسی قبیلہ بنو عمرو بن عوف سے تھے۔ (ص ۹۰۶)۔ اس قبیلے کے افراد نے غزوۂ تبوک سے گریز کیا اور سازشوں میں لگے رہے۔ لیکن انہیں کچھ نہیں کہا گیا۔ اس کے برخلاف مومنوں کی جماعت میں سے تین پیچھے رہ جانے والوں: کعب بن مالک' مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ (ابن اسحاق : ص ۹۰۷) کو پچاس دن اور رات تک معاشرتی مقاطعہ کی سزا دی گئی یہاں تک کہ قرآن حکیم کے لفظوں میں "ان پر زمین تنگ ہو گئی۔" (التوبہ' ۹ : ۱۱۸) کیونکہ یہ اپنے تھے۔ معاہدین صحیفہ مدینہ کے ساتھ النصیحہ و النصح والنصح والبردون الاثم کا جو سلوک آپ نے فرمایا اور صبر و تحمل کو جو راہ دی' اس کی ایمان افروز تفصیل کے لیے یہاں گنجائش نہیں۔ اتنا اشارہ کافی ہے کہ منافقین کے مسئلے کو سمجھنے کے لیے اسے نظر میں رکھنا ضروری ہے۔ یہ تکثیری نظام کے لیے بڑی آزمائش تھے۔

(۲۷) شاید دفعہ ۳۰ کے یہود بنی الاوس سے بنو قریظہ مراد ہیں۔

(۲۸) فلسطین کی قدیم بندرگاہ عسقلان نے صلیبی جنگوں کی تاخت و تاراج سے سخت نقصان اٹھایا تھا۔ اس کے فوراً بعد بحری مملوک سلاطین نے اس کے شمال مشرق میں عین جالوت کے مقام پر تاتاریوں کے سیل بے پناہ کا منہ موڑ دیا تھا۔ (۱۲۶۰ء) عسقلان کے عظیم فرزند محدث ابن حجر (۱۳۷۲ء-۱۴۴۹ء) کے لیے یہ قبول کرنا کہ مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز اس حد تک ختم ہو جائے کہ یہود "امہ مع المسلمین" قرار پائیں' فطری طور پر بہت مشکل تھا۔ وہ علم الرجال کے ماہر تھے۔ انہوں نے سیرہ ابن اسحاق کی اسناد میں ایک ضعیف راوی ڈھونڈ نکالا۔ اور اس کی بنا پر صحیفے کی زیر بحث دفعہ کی صحت پر وہ معترض ہوئے۔ (دیکھئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے صحیفے کے انگریزی ترجمے کا حاشیہ)۔ اولاً اس صحیفے کے تحریری دستاویز ہونے کی وجہ سے اس کے لیے اسناد بہم پہنچانا چنداں ضروری نہ تھا۔ لیکن ابن اسحاق نے اپنی عام روش سے ہٹ کر اس کی سند بھی بیان کر دی۔ اسی

صحیفے کو ابوعبید نے کتاب الاموال میں محدثوں کے سب سے بڑے پیشوا اور پیش رو امام ابن شہاب الزہری (م ۱۲۴ھ/۷۴۲ء) کی سند سے پیش کیا ہے۔ ابوعبید کی روایت میں ابن اسحاق کی روایت کے "مع" کی جگہ "من" ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ "یہود ایمان والوں کے ساتھ" ہی نہیں بلکہ "ان میں سے ایک امت" ہیں۔ (کتاب الاموال: ص ۳۶۳)۔ یہ روایت محدث ابن حجر کے عقیدے کی رو سے مزید مشکلات کا سبب بن سکتی تھی۔ (ضمناً اس اختلاف روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں روایتیں قدیم تحریری دستاویز کی نقلیں ہیں۔ صدر اسلام میں مروج رسم الخط میں نہ اعراب تھے نہ نقطے۔ اس لیے قدیم تحریر مع اور من میں اشتباہ کا ہونا عین قرین قیاس ہے)۔ محدث موصوف یقیناً جلیل القدر محقق تھے۔ لیکن تعجب ہے کہ انہوں نے ابوعبید کی روایت کا ذکر تک نہیں کیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا اندیشہ خود ابوعبید یا ان کے کسی معاصر کو ہوا تھا۔ انہوں نے ماہر قانون کی حیثیت سے اس شق پر یہ تبصرہ کیا: "اس معاہدے کی یہ شق کہ "بنی عوف کے یہود مومنوں کی ایک امت ہوں گے" سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ دشمنان اسلام کے خلاف (جنگ کی صورت میں) شرط کے مطابق اخراجات کے ذریعہ مسلمانوں کی (مادی) مدد کرتے رہیں گے۔ رہ گیا دین کا معاملہ' سو وہ بالکل جداگانہ ہے' اس سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ یہی سبب ہے کہ اس کے آگے آپ ؐ نے یہ تصریح فرما دی کہ یہود اپنے دین پر کاربند رہیں گے اور مومنین اپنے دین پر۔" (کتاب الاموال: ص ۳۸۴)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے پیش نظر دو قومی نظریے کے سلسلے میں چھڑی ہوئی بحث تھی۔ وہ اپنی محولہ بالا انگریزی تصنیف کے مقدمے میں لکھتے ہیں کہ پچھلے دنوں بعض اصحاب نے اس دفعہ سے Composite Judeo-Muslim Nationality (متحدہ یہود مسلم قومیت) کا مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کی ہے' لیکن اس کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ There is Hardly any Justification for it. محترم ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اس دفعہ میں صرف اس امر کا اعتراف ہے کہ یہودی بھی خدا کے ماننے والے یا موحد ہیں۔ Simply a recognition of the fact that the Jews too believe in God or are Monotheists. (دیکھئے'

ص ۳۷، ۳۸)۔ صحیفے کے متن کے انگریزی ترجمے کے حاشیے پر محدث ابن حجر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ دفعہ ان کے لیے وحشت انگیز Shocking تھی۔ حالانکہ اس میں ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ تو محض یہود کے موحد ہونے کا اعتراف ہے۔ (رجوع کن، ص ۴۸، حاشیہ ۳۳)

راقم الحروف کو یقین ہے کہ اس صحیفے میں یہود کی یا کسی فریق معاہدہ کے عقائد سے کوئی سروکار نہیں۔ امام ابوعبید کے محولا بالا قول کے مطابق "رہ گیا دین کا معاملہ سو وہ بالکل جداگانہ ہے، اس سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ ۱۹۳۸ء کی متحدہ قومیت کی بحث قرآنی مصطلحات "قوم" "ملہ" اور "امہ" میں فرق مدنظر رکھنے کے سبب ذہنی خلفشار کا باعث ہوئی۔ ان اصطلاحوں کے بارے میں تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

(۲۹) سورہ الکافرون کا تخاطب کفار مکہ کی طرف ہے۔ بار بار لات و منات و عزیٰ و ہبل کے پرستاروں سے کہا جا رہا ہے کہ نہ تم خدائے واحد کی عبادت پر تیار ہو، نہ میں تمہارے بتوں کی پرستش کرتا ہوں، نہ کبھی کروں گا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے اعتذار کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ اگر مشرکین مکہ بھی معاہد ہوتے تو قرآن حکیم کے لفظوں میں ان سے بھی یہی کہا جاتا: لکم دینکم ولی دین۔

(۳۰) Jamil-ud-Din Ahmad, *Speeches and Writings of Mohammad Ali Jinnah*, Lahore (Ashraf), 1960, Vo. II, p.403

(۳۱) p.402

(۳۲) p.402-3

(۳۳) Hitti, p. 516-17

(۳۴) Mas'ud, p.75

(۳۵) سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد ششم، ص ۱۳۰، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۲ء محولہ بالا ترجمہ کے بعد اس کے تفسیری حاشیے پر مولانا لکھتے ہیں: "جس طرح ایک شریف آدمی کسی بازاری آدمی کی گالیاں سن کر نظرانداز کر دیتا ہے اور دل پر میل تک نہیں آنے دیتا۔"

جنرل ضیاء الحق نے اہانت رسول Blasphemy کے قانون میں دفعہ 245-C کا اضافہ کر کے اس جرم کے مرتکب کی سزا پھانسی قرار دے دی۔ اس دفعہ کے قرآن و سنت کے خلاف ہونے پر

مولانا مودودی کے خلف الرشید محترم سید حیدر فاروق مودودی نے پاکستان کے موقر انگریزی روزنامہ دی نیوز کی اشاعت یکم دسمبر ۱۹۹۵ء میں ایک محققانہ مضمون لکھا' جس پر اخبار کے News Post کالم میں کچھ دنوں تک بحث چھڑی رہی۔ راقم الحروف نے سید حیدر فاروق مودودی کی تائید اور ان کے مرحوم و مغفور والد بزرگوار کے موقف کا دفاع تفہیم القرآن کے محولہ بالا اقتباسات کے ذریعہ کیا تھا۔

(۳۶) سلام اور استغفار کے بعد پوری دعا یہ ہے: "اللھم انت السلام ومنک السلام والیک یرجع السلام فحینا ربنا بالسلام وادخلنا دارک دارالسلام تبارکت وتعالیت یاذاالجلال والاکرام." صحیح مسلم میں حضرت ثوبانؓ سے مروی حدیث میں اس کے صرف یہ ٹکڑے ہیں: "اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت وتعالیت یا ذاالجلال والاکرام" اخرجہ الخمسہ الا البخاری' صحیح مسلم' کتاب الصلوٰۃ' باب استحباب الذکر بعد الصلوٰۃ و بیان صفتہ۔

(۳۷) Syed Sharifuddin Pirzada (Ed) Foundations of Pakistan, All-India Muslim League Documents, 1906-1947, arachi/Daca (National Publishing House), 1970, Vol.II, p.169.

(۳۸) *Encyclopaedia Britanica,* 15th Ed. (1992), Vol. 9, p.487

(۳۹) دیکھئے ضمیمہ (ب)۔

(۴۰) اسی سال ۲۹ر دسمبر کو اس خطبۂ عہد ساز کے ہفتاد سالہ جشن کی تقریب کی تاریخ ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر پاکستان اس تقریب کو مسیحی کلیسا کی Ecumenical Council اور محترم بشپ لاہور' ڈاکٹر الیگزینڈر جان ملک کے تعاون کے ساتھ عالمی پیمانے پر منایا جائے' اس لیے کہ

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا!

(بہ شکریہ "فکر و نظر" علی گڑھ' ۱۹۹۷ء)

☆☆☆